وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

برکاتِ اسلام

یعنے شیخ محمد یوسف ایڈیٹر نور مصنف سوانحعمری باوا نانک رحمۃ اللہ علیہ۔ باوا نانک رحمۃ اللہ کا مذہب۔ گوردکی بانی ست اُپدیش۔ مسلمانوں کے احسان سکھوں پر۔ پروفیسر رام دیو کے چھ سوالوں کا جواب۔ فتح مُبین۔ قرآن مجید اور وید۔ ردّ تناسخ۔ ہندو دھرم و سوراج وید و قربانی۔ قدیم ہندوستان کی روحانی تعلیم۔ آریہ مذہب کی حقیقت۔ آریہ دھرم کا فوٹو۔ ہندو دھرم کی حقیقت۔ سکھ اور مسلمان وغیرہ کا وہ لیکچر جو احمدیہ مرکزی سالانہ جلسہ قادیان میں ۲۶ دسمبر سنہ ۱۹۲۶ء بہ عنوان "ہندو تمدن و تہذیب پر اسلام کا اثر" دیا گیا۔ احباب دوستوں کے اصرار پر مناسب اصلاح اور اضافہ کے ساتھ کتابی صورت میں شائع کیا جاتا ہے۔

سنہ ۱۹۲۷ء

باہتمام شیخ غلام یٰسین پرنٹر دربازار الیکٹرک پریس ہال بازار امرتسر میں چھپا۔

قیمت فی کاپی - - - ۶/

اسلام کا نورانی چہرہ

آج وطنی دوستوں کی طرف سے اسلام پر جو گھناؤنے اور دلخراش الزامات لگائے جاتے ہیں۔ اسے پڑھ اور سن کر ہر ایک بہی خواہ اسلام کا جگر پاش پاش ہو جاتا ہے۔ اس لئے نہیں کہ ہماری اسلام کے ساتھ کوئی اندھی محبت ہے بلکہ اس لئے کہ درحقیقت اسلام ہر دو جہان کے لئے چشمہ رحمت و برکت ہے کیونکہ اسلام نے دنیا کی کایا پلٹ دی۔ اور لوگوں کو حیوان سے انسان اور انسان سے باخدا انسان بنا دیا۔

لہٰذا آپ اس مختصر رسالہ میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ کہ اور تو اور مخالفوں کے دلوں میں بھی اسلام کی خوبیاں گھر کر گئیں۔ اگر زبان سے نہیں مگر عمل سے انہوں نے بھی اسلام کے سامنے اپنے سر جھکا دیئے۔ ایسے رسالوں کی جس قدر بھی اشاعت ہو اتنا ہی زیادہ اسلام کا بول بالا ہو گا۔ اس موقعہ پر ان دوستوں کا شکریہ ادا نہ کرنا ایک صریح ناسپاسی ہو گی۔ جن احباب نے پیشگی درخواستیں بھیجکر اس مفید رسالہ کے چھپوانے کے لئے میری عملی حوصلہ افزائی فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ایسے سب دوستوں کو دین و دنیا کے حسنات سے مالامال فرما دے

آمین ثم آمین

خاکسار

محمد یوسف ایڈیٹر اخبار نور قادیان ضلع گورداسپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

ہندو تہذیب و تمدن پر اسلام کا اثر

سالانہ جلسہ پر میں بوجہ تنگی وقت اپنے لیکچر کو مختصراً بیان کر سکا تھا۔ اب نسبتاً زیادہ مکمل صورت میں پیش ہے۔ خدا اسے قبولیت بخشے۔ آمین

یہ تسلیم شدہ امر ہے۔ کہ قدیمی ہندو یا آریوں کو فن تاریخ نویسی سے بہت ہی کم لگاؤ تھا۔ لہذا وہ قوم جس کی تاریخ بہت کچھ اندھیرے میں ہو۔ اسکے تمدن اور تہذیب کا کما حقہ خاکہ ناظرین کے سامنے کھینچنا بہت حد تک مشکلات کو چاہتا ہے۔ اور اسکے لئے بہت مطالعہ جستجو اور سعی کی ضرورت ہے۔ وید مقدس منوشاستر اور رامائن مہابھارت یا پھر دیگر سیاحوں اور مؤرخوں کے نوشتے ہماری مشکلات کو ایک حد تک ہلکا کر دیتی ہیں اور اسلئے بھی ان واقعات کو سامنے لاکر ہمیں ایک گونہ تسلی ہو جاتی ہے۔ کہ یہ واقعات ان معتبر کتب سے لگاؤ رکھتے ہیں۔ جو ہزاروں سالوں سے ہمارے آریہ دوستوں کی عقیدت کا مرکز چلی آرہی ہیں۔ لہذا ایسے اقتباسات ہمارے ہندو بھائیوں کے لئے بہر کیف تسلی کا موجب ہونے چاہئیں۔ ان گزشتہ مجلسی۔ مذہبی۔ سیاسی۔ تمدنی رسومات کا موجودہ ہندو مذہب کی ان مذکورۃ الصدر شقوں سے مقابلہ کرتے ہیں۔ تو ہم کہ ہندو مذہب کو پراچین کال یا قدیمی زمانہ کے ہندو مذہب سے بہت حد تک جد

ہیں۔ یا دوسرے الفاظ میں ہندوستان میں اسلام کے ورود کے قبل جو ہندو مذہب کا مرقع ہے۔ جب ہم اسلام کے بعد ہندو مذہب کے نقشہ پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو بلاشبہ ہمیں یہ کہنا پڑتا ہے۔ کہ اسلام سے قبل اور اسلام کے بعد ہندو مذہب میں بعد المشرقین ہے۔ اور اس میں اتنا ہی فرق ہے۔ جتنا کہ زمین اور آسمان میں ہوتا ہے۔ یقیناً اسلام کے تمدن اور تہذیب نے ہندو مذہب کا نقشہ ہی بدل دیا۔ گویا دنیا ہی کچھ اور کی اور ہو گئی۔ یہ میں ہی نہیں کہتا۔ بلکہ جو شخص بھی میری طرح تعصب سے الگ اور خالی الذہن ہو کر اسلام سے قبل کے ہندو مذہب اور اسلام کے بعد کے ہندو مذہب پر نظر ڈالیگا۔ تو وہ بدوں کسی تردد اور تامل کے میرے ساتھ اتفاق کریگا۔ لہذا اب میں ان برجستہ واقعات کو دوستوں کے سامنے رکھتا ہوں۔ جن سے اسلام سے قبل اور اسلام کے بعد کے ہندو مذہب پر روشنی پڑتی ہے۔ اور مجھے توقع رکھنی چاہیئے۔ کہ آپ صاحبان ٹھنڈے دل سے اس پر غور کریں گے۔ لہذا میرے لئے ضروری ہے۔ کہ اسلام سے قبل ہندو مذہب جن مختلف مدارج سے گذرا ہے۔ اس کا اجمالی تبصرہ دوستوں کے سامنے رکھوں۔ اگرچہ پانچ ہزار سال کے واقعات کو ایک گھنٹہ میں بیان کرنا یا چند اوراق میں قلمبند کرنا یہ ایسا ہی مشکل ہے۔ جس طرح کسی دشوار گذار راستہ کا چند منٹوں میں عبور کرنا۔ مگر اس کے لئے ایک آسان صورت بھی ہے۔ وہ یہ کہ دشوار گذار راستے جنہیں ہم مہینوں کی مسافت سے بھی طے نہیں کر سکتے ہاں چند منٹوں میں اپنی نظر سے گذار سکتے ہیں۔ ایسے ہی موقع پر ایک پنجابی شاعر نے یہ فلسفیانہ مصرع وضع کیا ہے۔

اکھیاں تھیں نیڑے نیڑے قدماں نہیں دور وے

یعنے اے مطلوب تو پاؤں کے فاصلہ سے بہت دور ہے۔ مگر دیکھنے میں تو قریب تر ہے۔ لہذا میں انشاء اللہ پانچ ہزار کے واقعات کو خدا کے فضل سے ایک گھنٹہ میں نظر سے گذار دونگا۔ گو ہو سکتا ہے۔ کہ آج کل کے گرما گرم حلوہ کھانے والوں کو پانچ ہزار سال قبل کے گڑ میں چنداں مزہ نہ آئے۔ مگر اس میں بھی کوئی کلام نہیں۔ کہ حکماء

کے نزدیک جسقدر بھی پُرانا گڑ ہو وہ بعض اوقات اکسیر سے بھی زیادہ فوقیت لے جاتا ہے۔ لہذا میں آج حاضرین و ناظرین میں پانچہزار سال قبل کے گڑ کو تقسیم کر رہا ہوں۔ اور مجھے امید ہے۔ کہ دوست اسقدر پُرانے اور بوسیدہ اور کہنہ گڑ کی شکل کو دیکھکر ناک بھوں نہیں چڑھائیں گے۔ بلکہ اس کے فوائد کو مدنظر رکھکر خوشی سے قبول کرینگے۔

اسلام کے مبارک ورود سے قبل یہ ہندوستان جن مختلف مذہبی۔ تمدنی۔ یا سیاسی مدارج سے گذرا مختلف الفاظ میں وہ ان شقوں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے

(۱) برہمنی مذہب یا ویدک دہرم۔

(۲) دام مارگ۔

(۳) بُدھ و جین مت۔

(۴) شومت۔

(۵) ویدانت مت۔

(۶) ہندوؤں کے دیگر مختلف فرقے۔

(۷) موجودہ آریہ سماج۔

لہذا میں پہلے برہمنی مذہب پر نظر ڈالتا ہوں۔

توحید اور ویدک دہرم ویدک دہرم میں خالص توحید مفقود تھی۔ ہاں عناصر پرستی کے گیت نہایت فراخدلی سے گائے جاتے تھے۔ زمین۔ پانی۔ سورج۔ ہوا۔ آگ وغیرہ کی بہت تعریف کی گئی ہے۔ بلکہ انہیں اشیاء کو اپنا حاجت روا بھی سمجھا جاتا تھا۔ اور تو اور اس بیسویں صدی کی آریہ سماج کی چھان بین جرح قدح بھی ویدوں کی اس نمایاں خصوصیت کو کم نہیں کر سکی۔

چنانچہ دی سویلیزیشن آف انشنٹ انڈیا (قدیم ہندوستان کی تہذیب) کا عام مصنف پنڈت ... چندر دت صاحب سی۔ آئی۔ ای جو سنسکرت کے عالم بے بدل ہیں۔ اپنی اس کتاب کے چھٹے باب میں آریوں کی عناصر پرستی پر بخوبی روشنی ڈالتے ہیں۔ اور نیز آریوں کا مشہور آرگن آریہ گزٹ اپنے ۲۵ نومبر ۱۹۲۶ء کے ... میں دید ادرت کے عنوان

سے اتھروید کانڈ ہفتم (۷) واک (۱) سوکت ۱۰ منتر ۳ کا مطلب یہ بیان کرتا ہے۔ کہ انسان وسیع و عریض زمین کو اپنا مضبوط محفوظ رکھشک (محافظ) سمجھے۔ فضا کو اکھنڈت (منزہ) تصور کرے۔ وغیرہ۔ اور قدرت کو سب سے بڑھکر سکھ دینے والی خیال کرے"

اب اسجگہ عناصر پرستی کے جو راگ گائے ہیں۔ وہ صاف ظاہر ہیں۔ ہاں ایک جگہ قدرت کا لفظ لایا گیا ہے۔ جو غالباً نیچر کا قائمقام ہے۔ اور ایسی قدرت کو تو کوئی دہریہ ہی تسلیم کرتے ہیں۔ لہذا وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں۔ کہ ویدوں میں عناصر پرستی کی تعلیم ہے۔ اور توحید کی جھلک۔ اول تو ہے ہی نہیں۔ اور اگر ہے بھی تو وہ مشتبہ اور ماند ہے۔

آریہ گزٹ نے لوگوں کے اس کہنے کی صاف الفاظ میں تائید کر دی ہے۔

نیز علاوہ ازیں چار ویدوں میں سے مقدم اور پُرانا رگوید ہے۔ اس کا پہلا منتر یہ ہے۔

اگنی مٹھیرے پروہتم

یعنے آگ ہمارا گورو ہے۔ اس کے علاوہ پھر دیکھو رگوید منڈل ۱ سوکت ۷ ۳ منتر ترجمہ سوامی دیانند صاحب جو...... اپنے راجہ گیان وان میر مجلس کی ہی اپاسنا (عبادت) کرتے ہیں...... وے لوگ ایذا رساں دشمنوں کو اچھے طور جیت کر پار ہو سکتے ہیں"

ان مذکورۃ الصدر حوالجات میں جسقدر عناصر پرستی اور انسان پرستی پر زور دیا گیا ہے۔ وہ صاف اور بین اور کسی تشریح سے بے نیاز ہے۔

اس کے بعد دام مارگیوں کا دور شروع ہوا۔

دام مارگ مت دام مارگ مت کیا تھا۔ اور اسکے کیا عقائد تھے۔ میں اس کی نسبت یہی کہوں گا۔ کہ اس کی تشریح کرنا مسلم تہذیب سے بعید ہے۔ مختصر الفاظ میں یہ مذہب اور اس مذہب کے عقائد انسانیت کے لئے موجب عار ہے۔ جس کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ اور ایک انسان گہری تشویش میں پڑ جاتا ہے۔ کہ کیا انسان کہلانے والے کبھی اسقدر بھی تنزل کر چکے ہیں۔ اگر آپ کو اس کی تشریح مطلوب ہو تو آپ پھر سوامی دیانند صاحب کی مشہور تصنیف ستیارتھ پرکاش

کے گیارہویں سمولاس میں دام مارگیوں کا ذکر ملاحظہ کریں۔ مختصر یہ کہ سوامی صاحب اپنی اس کتاب میں دام مارگیوں کے عقائد کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ کہ

"اس قسم کے پاگل اوپرے درجے کے وحشی .... انسان بھی دُنیا میں بہت کم ہوں گے"

ناظرین آپ یہ خیال نہ کریں۔ کہ یہ سب باتیں انہوں نے ویدوں سے علیحدہ کر رکھی تھیں نہیں بلکہ ایسی تعلیم کو وہ اپنے خیال میں ویدوں سے ہی ثابت کرتے تھے۔ چنانچہ سوامی دیانند کے اپنے الفاظ اسیارسے میں یہ ہیں۔

"پھر (جب) ان لوگوں کا مذہب بہت پھیلا۔ تب فریب کر کے ویدوں کے نام سے ہی دام مارگ کی تھوڑی سی لیلا۔ چلائی۔ یعنی سوتزامنی یگیہ میں شراب پیوے۔ پروکشت یعنے یگ میں گوشت کھانے میں عیب نہیں" ایسے ایسے قول بھی رشیوں کی کتابوں میں ڈالکر کتنے ہی رشی منیوں کے نام سے کتابیں بناکر اشومیدھ کے نام سے یگیہ بھی کرانے لگ گئے تھے۔ یعنے ان حیوانوں کو مارکر ہوم کرنے سے یجمان اور حیوان کو بہشت ملتا ہے۔
وید کے معانی نہ سمجھنے کے بارے میں سوامی دیانند باب ۱۱ دفعہ ۱ میں لکھتے ہیں۔
لیکن ان سچے معانی کو وے جاہل نہیں سمجھتے تھے۔ کیونکہ جو خود غرض خیال والے ہوتے ہیں۔ وے سوائے اپنی غرض پورا کرنے کے دوسری کچھ بھی بات نہیں جانتے۔ اور نہیں مانتے"

شومت

اس کے بعد شومت کا آغاز ہوا۔ جس کے متعلق سوامی دیانند ستیارتھ پرکاش سمولاس ۱۱ دفعہ ۴۲ میں لکھتے ہیں۔

دام مارگی دیوی کی عبادت کرنے والے ہوئے۔ اور شوہا دیو کی عبادت کرنے والے ہوئے۔ اور سُنیئے۔!

یہ دونوں رودراکھش اور بھسم (خاک) آجتک لگاتے ہیں۔ لیکن جتنے دام مارگی

وید کے مخالف ہیں۔ ویسے شو نہیں ہیں۔ ان کا یعنی شوؤں کا اعتقاد ہے۔ کہ جس
کے ماتھے پر بھسم اور گلے میں رودراکش نہیں ہے۔ اوس پر لعنت ہے۔ اسکو چنڈال
کی مانند ترک کرنا چاہیئے۔ جو گلے میں تنیس۔ سر میں چالیس۔ چھ چھ کانوں میں
بارہ بارہ ہاتھوں میں۔ سولہ سولہ بازوؤں میں۔ ایک چوٹی میں اور چھاتی پر ایک سو آٹھ
رودراکش پہنتا ہے۔ وہ ہو بہو مہادیو کی مانند ہے۔ آگے چلکر سوامی دیانند صاحب
لکھتے ہیں۔ کہ۔ ان بے شرموں کو ذرا بھی شرم نہ آئی۔ کہ یہ مکروہ کام ہم کیوں کرتے ہیں۔
مہتہ رادہاکشن صاحب نے جو سوامی دیانند صاحب کی سوانحمری تصنیف کی ہے۔ اسکے
صفحہ ۵ پر آپ یہ لکھتے ہیں۔ کہ سوامی دیانند صاحب بھی شومت کے پیرو رہ چکے ہیں۔
اور لوگوں کو اس مت کا پیرو بناکر ہزاروں رودراکش کی مالائیں اپنے ہاتھ سے تقسیم
کیں۔ مہاراج رام سنگھ نے بھی آپ سے ہی اس مت کو قبول کیا۔"

بدھ مذہب کا آغاز { اس بارہ میں سوامی دیانند کے الفاظ یہ ہیں۔ جب
ان پوپوں کی ایسی بدافعالیاں دیکھیں۔ (نو) ایک سخت
غضب ناک وید وغیرہ شاستروں کی مذمت کرنیوالا بدھ یا جین مت رائج ہوا۔ اور
بدھ نے جو سنسکرت زبان کا سب سے بڑا فاضل اجل تھا جس کے بارے میں لالہ لاجپت
کے یہ الفاظ ہیں۔ کہ "وہ جنگلوں اور پہاڑوں میں جاکر گیان کا ذخیرہ اکٹھا کرنے لگا۔
ہندوستان کی ورش ودیا میں جو کچھ تہا۔ اس کو اس نے مطالعہ کیا۔ مگر اطمینان نہ
ہوا" ویدک مت کی مذمت شروع کی۔ اور بقول سوامی دیانند باب ۱۲ (دفعہ ۲۰) ویدوں
کی بھی مذمت کرنے لگے۔ اس کے پڑھنے پڑھانے یگیوپویت وغیرہ اور برہمچریہ وغیرہ
اصولوں کو بھی تباہ کیا۔ جہاں جتنی کتابیں وید وغیرہ کی پائیں۔ انکو تلف کیا۔ آریوں پر
بہت سازور حکومت بھی چلایا۔ تکلیف دی۔ جب ان کو خوف وخطرہ نہ رہا۔ تب اپنے
مت والے گرہستی اور سادہوؤں کی عزت اور وید کے پیروؤں کی بے عزتی کرنے
اور طرفداری سے سزا بھی دینے لگے۔ اور خود بھی عیش وآرام میں اور غرور میں پھول
کر پھرنے لگے۔ (شودہو سے لیکر مہابیر تک اپنے تیرتھوں کے بڑے بڑے بت بناکر

پرستش کرنے لگے) یعنے پاشان وغیرہ مورتی پوجا کی بنیاد جینیوں سے پھیلی پرمیشور کا ماننا کم ہوا۔ پتھر وغیرہ کی یعنی مورتی پوجا میں مصروف ہوئے۔ اسیطرح تین سو برس تک آریہ ورت میں جینیوں کی سلطنت رہی۔ بہت لوگ وید کے علم وغیرہ سے ناواقف ہوگئے تھے۔ یہہ لوگ ویدوں اور خدا کے منکر تھے۔ اور اھنسا پرمو دھرما یعنے کسی کو ایذا نہ دینا یہ انکا بڑا عقیدہ تھا۔

شنکر آچاریہ کا ظہور } سوامی دیانند کے الفاظ استیارتھ سے بیں یہ ہیں۔ باب ۱۱ دفعہ ۲۱ اور ۲۲ کئی سو برس کا زمانہ گذرا کہ ایک شنکر آچاریہ دراوڑ (مالابار) ملک میں پیدا شدہ براہمن برہمچریہ سے دیاکرن وغیرہ سب شاستروں کو پڑھ کر سوچنے لگے۔ کہ آیا سچے پرمیشور کے معتقد ویدمت کا چھوٹنا اور بدھ و جین پرمیشور کے نہ ماننے والے متوں کا رائج ہونا بڑے نقصان کی بات ہوئی ہے۔ اس کو کسی طرح رفع کرنا چاہیئے۔"

مگر شنکر آچاریہ کا مذہب سوامی دیانند کے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے۔ چنانچہ وہ اسی سملاس ۱۱ دفعہ ۱۲ میں لکھتے ہیں "شنکر آچاریہ کا مت تھا کہ انلی سدھ پرماتما ہی دنیا کا صانع ہے۔ یہہ دنیا اور جیو جھوٹا ہے۔ کیونکہ اس پرمیشور نے اپنی مایا سے دنیا بنائی۔ وہی پرورش اور فنا کرنے والا ہے۔ اور یہ جیو پرپنچ خواب کی مانند ہے۔ پرمیشور خود ہی سب جگت روپ (بشکل عالم) ہوکر لیلا (کھیل) کر رہا ہے"

یعنے بہ الفاظ دیگر شنکر آچاریہ روح و مادہ کی قدامت کا منکر اور ہمہ اوست کا قائل تھا۔ جو موجودہ آریہ مت کے صریح مخالف اعتقاد ہے۔ گویا کہ شنکر آچاریہ نے بڑے غور و خوض کے بعد وید کا جو اعتقاد دنیا پر ظاہر کیا۔ وہ موجودہ ویدک مت کے قطعی مخالف تھا۔ مگر سوامی دیانند اسی کو ویدمت بیان کرتے تھے۔ اور انکے اعتقاد میں اسی وقت سے سنگھو پورت ہونے لگے۔ اور ویدوں کی درس و تدریس نے رواج پکڑا۔ دس سال کے اندر سارے آریہ ورت ملک میں گھوم کر جینیوں کی تردید اور ویدوں کی تائید کی۔"

شنکر آچاریہ کا ظہور آٹھویں صدی کے اخیر میں ہؤا۔

یہ امر واقعہ ہے۔ کہ شنکر آچاریہ نے جو توحید کا عقیدہ لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ وہ ویدوں کا عقیدہ نہیں تھا۔ اُنھوں نے یہ تعلیم ویدوں سے حاصل نہیں کی تھی۔ مسلمانوں کا ہندوستان میں پہلا داخلہ ۶۳۶ء بذریعہ ابو العاص عامل یمن دوسرا داخلہ بذریعہ امیر مہلب ۶۶۴ء اور تیسرا ورود بذریعہ محمد بن قاسم ۷۱۲ء میں ہؤا۔ اور سمندر کا ساحل ہونے کیوجہ سے ۸۰۰ء تک مالابار میں مسلمان تجاروں کی کافی آمدورفت ہو چکی تھی۔ مسعودی ۸۸۰ء کے قریب کالیکٹ تک مالابار میں آیا۔ وہ کہتا ہے۔ کہ یہاں سیراف عمان بصرہ بغداد کے بہت سے مسلمان آباد ہیں۔ جنھوں نے یہیں کے باشندوں میں بیاہ شادی کر کے سکونت اختیار کر لی ہے۔ ان کی تعداد دس ہزار ہے۔ ان میں بعض مشہور تاجر ہیں۔ یہاں کے مسلمانوں کا رئیس ابو سعید معروف بن زکریا ہے۔ اب جائے غور ہے۔ کہ اسی زمانہ میں شنکر آچاریہ پیدا ہوئے۔ اور وہ جین مذہب اور بدھ مت کی بت پرستی کے خلاف اپنی آواز بلند کرتے ہیں۔ اور خدا کی توحید و یگانگت کے لئے پرچار کرتے ہیں۔ اب اسکا اندازہ لگانا ذرا بھی مشکل نہیں۔ کہ جناب شنکر آچاریہ نے توحید کا سبق اسلام سے سیکھا۔ ورنہ اس سے قبل ہمیں خالص توحید کی تعلیم مفقود نظر آتی ہے۔ لہذا اب اس امر سے کون انکار کر سکتا ہے۔ کہ جناب شنکر آچاریہ نے توحید کا نور اسلام کی منور تعلیم سے حاصل کیا۔ اور اسکا ایک اور بھی زبردست ثبوت ملتا ہے۔ کہ شنکر آچاریہ نے اسلام اور مسلمانوں کے برخلاف کہیں بھی کچھ کہنے کی جرأت نہیں کی۔ حالانکہ ان کے ہمسایہ میں اسوقت کافی مسلمان آباد تھے۔ اور اسلام اپنی ہمہ گیر تعلیم کیوجہ سے بنی نوع انسان میں دن بدن ایک خاص احترام اور قبولیت حاصل کر رہا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جناب شنکر آچاریہ نے توحید کے جس چشمہ سے اپنے تشنہ لب کو تر کیا تھا۔ اس کے لئے اس کے دل میں عزت اور احترام کا جذبہ موجود تھا۔ وہ آجکل کے آریوں کی طرح نہیں تھے۔ کہ

اسلام کی خوبیوں سے مستفیض تو ہوں۔ اور پھر اسلام کے خلاف ہی علم بغاوت بلند کریں۔ شنکر آچاریہ کے وقت سے ہندوستان کے اس تیرہ خاکدان پر اسلامی نور کی کرنیں جلوہ فگن ہونی شروع ہو گئی تھیں۔ چنانچہ اس کے بعد جس قدر اصلاحی فرقے بھی ہندو مذہب سے برآمد ہوئے۔ وہ سب کے سب اسلامی تمدن اور تہذیب سے مالامال ہوتے رہے۔ جس کے متعلق اور تو اور خود آریوں کو بھی اعتراف ہے۔

یہ ایک مسلمہ امر ہے۔ کہ اسلامی توحید نے ہندو مذہب پر ایک خاص اثر ڈالا۔ اسلامی توحید کے بعد ہی ہندو مذہب سے مختلف فرقے نکلے جنہوں نے پرستاران توحید ہونیکا دعوے کیا۔ اس سے قبل ہمیں کوئی ایسی نمایاں مثال نہیں ملتی۔ چنانچہ اسلامی تصوف نے بھی ہندو مذہب پر ایک خاص اثر ڈالا۔ اسکے متعلق مشہور متعصب اخبار پرتاپ بھی اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکا۔ چنانچہ یہ اخبار لکھتا ہے۔

"دور امانج سے تین صدی بعد شمالی ہند میں ایک اصلاحی تحریک کا آغاز ہوا جس کا سرچشمہ رامانند جی تھے۔ وہ نہ صرف اعلےٰ پایہ کے سنت بلکہ شاعر بھی تھے۔ انکے پرچار کا شمالی ہند میں اتنا بڑا اثر ہوا کہ لاکھوں کی تعداد میں لوگ ان کے معتقدین ہو گئے۔ آپ مذہب اور قومیت کے امتیاز کا کوئی لحاظ نہ کرتے ہوئے پریم کا پرچار کرتے تھے۔ آپ کے عقیدہ میں برہمن مسلمان اور اچھوت یکساں طور پر حصہ دار بن گئے۔ آپ کے زمانہ میں زبردست مسلمان صوفیان مثلاً عطار۔ سعدی جلال الدین رومی اور حافظ وغیرہ کی شاعری اور اون کے رموز تصوف کا بڑا چرچا تھا۔ اور تصوف کے مسائل کو ہندوستان بھر کے مذاہب میں وہ دخل حاصل ہوا تھا جس نے اصل مذہب پر پردہ ڈال دیا تھا۔ رامانند نے مسلمانوں کے اس تصوف کو برہمنوں کے مذہبی عقیدہ کے رنگ میں رنگ کر ویدانت کے اندر جذب کر دیا"

(پرتاپ ۲۷ر فروری)

جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے اسی کا نام ہے۔ باوجود اسلام کے بہترین توحید اور تصوف سے مستفید ہونے کے بھی آریوں نے اسلام کی کیا قدر کی؟ چھپ ہی بھلی۔

اگرچہ اس کے بعد ہندو مذہب سے کئی ایک پنتھ اور مت چلے۔ اور اگر اونکی نمبر شماری کی جائے۔ تو بلاشبہ سینکڑوں تک پہنچتی ہے۔ جن کے چند ایک نام درج ذیل ہیں:-

(۱) نرنکاری مت (۲) اناسی مت (۳) پرنامی مت (۴) یگ جیون داسی مت۔ (۵) شونرائن مت (۶) مادہوا چاریہ مت (۷) برہم سماج (۸) کبیر پنتھی (۹) نانک پنتھی (۱۰) دادو پنتھی (۱۱) برہمنڈ پوران پنتھی (۱۲) رام سنی (۱۳) مدہو چاری۔ (۱۴) ملوک داسی (۱۵) سورج پنتھی (۱۶) نرنجنی (۱۷) بشنوئی (۱۸) چندر بھگت۔ (۱۹) بلبھا چاری (۲۰) چیتن سمپرداے (۲۱) گورداوی (۲۲) چرنداسی (۲۳) آریہ سماج وغیرہ۔

اگر ان فرقوں کے اصولوں پر غور کیا جائے۔ تو صاف معلوم ہوگا۔ کہ انکے عقائد کے روشن حصے جو عوام کے جذبات سے اپیل کر سکتے ہیں۔ وہ سب کے سب اسلامی اصولوں سے اخذ کئے گئے ہیں۔ کیونکہ ہندوستان میں اسلام کے داخلہ سے قبل یہ مذہب کے عمدہ اصول قطعی مفقود تھے۔ ان کا وجود ہندوستان میں اسلام کے مبارک ورود کے بعد آیا۔ اب اس سے کون انکار کرسکتا ہے۔ کہ ہندو مذہب کے مختلف فرقوں نے یہ اصول بلاشبہ اسلام ہی سے لئے۔ ان مذکورۃ الصدر ہندو مذاہب کے فرقوں کے اصولوں کے متعلق ایک ایک کرکے مفصل بیان کرنا ایک طول طویل بحث ہے۔ لہذا میں بعض مشہور فرقوں کو لیکر ان کے اصولوں پر روشنی ڈالتا ہوں۔

نانک پنتھی یا سکھ دہرم } اس مذہب کے بانی شری گورو نانک دیوجی مہاراج ہوئے ہیں۔ اس مذہب کو رائج ہوئے چارسو سال سے زیادہ عرصہ گذرا ہے۔ ان کے آدھ گرنتھ صاحب سری راگ محلہ پہلا میں لکھا ہے

عجب تن چکڑ ویہہ من میڈکو
کمل کی سار نہیں مول پائی

بھوترا استاونت بھاکھیا بولے

کیوں بوجھے جالن نہ بجھائی

آکھن سننا پون کی بانی ایہہ من رتا مایا

خصم کی نظر دلیں پسندی جنہیں اک کر دھایا

تیہ کر رکھے پنج کر ساتھی ناؤں شیطاں مت کٹ جائے

مطلب:- جو تیرے عیب ہیں۔ وہ کیچڑ کی مانند ہیں۔ اور تیرا دل ان عیبوں کے کیچڑ میں مینڈک کی طرح پھنسا ہوا ہے۔ جو اس کنول کے پھول کی قدر سے جو تیرے سر پر کھل رہا ہے۔ ناواقف ہے۔ حالانکہ بھونرا بشکل استاد اس کنول کے پھول پر آکر ہر روز آوازیں دیتا ہے۔ کہ اے کیچڑ میں لت پت ہونے والے مینڈک ذرا اس کیچڑ کو چھوڑ کر پانی کی سطح پر آ۔ اور دیکھ کہ تیرے سر پر تو کنول کا پھول کھل رہا ہے۔ اور تو اس کیچڑ میں پڑا خراب ہو رہا ہے۔ مگر اصل بات تو یہ ہے۔ کہ وہی اس کنول کی خوشبو سے بہرہ ور ہو سکتے ہیں۔ جن کی اللہ تعالیٰ آپ رہنمائی فرماتا ہے۔ وہ لوگ جنہیں اپنی طاقت یا دولت پر گھمنڈ ہے۔ اور جو وعظ و نصیحت کی باتوں کو ایک کان سنتے اور دوسرے کان نکال دیتے ہیں۔ وہ خدا کے قرب سے محروم رہتے ہیں۔ ہاں جو لوگ اللہ کے مقبول ہیں۔ ان کی یہ علامات ہیں۔ وہ ایک خدا کی پوجا کرتے تیس روزے رکھتے۔ اور پانچوں وقت کی نمازیں پڑھتے ہیں۔ پھر شری آدگرنتھ میں لکھا ہے۔

ہوئے مسلم دین مہانے

مرن جیون کا بھرم چکانے

مطلب: اے سرگردان و پریشان تو مسلمان بن جا۔ اس کا یہ نتیجہ ہوگا۔ کہ تو اس سرگردانی اور مرن جیون کے وہم سے دور ہو کر نجات کا وارث بن جائیگا۔

پھر سکھوں کا یہ اصول ہے۔ کہ شری گرنتھ صاحب کے (پاٹھ کرتے) پڑھتے وقت یا اوراس (راہ راست) یعنی مذہبی دعا کرتے وقت یا ارداس (عرض داشت دعا) کے فرائض کی بجا آوری کے وقت "پنج اشنان" کرینگے۔ **پنج اشنان** کیا ہے۔ وہی جیسے مسلمان وضو کہتے ہیں۔ یعنے پہلے منہ کو دہوتے ہیں۔ پھر دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک پھر دونوں پاؤں کو۔ یہ مذہبی طہارت بلا شبہ اسلام سے لی گئی ہے۔ پھر ارداس (دعا) کا طریق بھی اسلام کی دعا کے طریقہ سے ہی حاصل کیا گیا ہے۔ ایک بزرگ شخص خدا کے حضور ہاتھ جوڑ کر دعا کرتا ہے۔ اور دوسرے لوگ خاموش ہو کر اس شخص کی ہاں میں ہاں ملاتے جاتے ہیں۔ اس سے قبل ہندو مذہب میں دعا کا یہ طریق رائج نہ تھا یہ طریق اسلام سے حاصل کیا گیا ہے۔ پھر بعض سکھ دوست کہتے ہیں۔ کہ مسلمان تو گوشت کے شوقین ہیں۔ اور ہم کڑاہ پرشاد کے پریمی ہیں۔ مگر امر واقعہ یہ ہے۔ کہ جس طرح سکھ صاحبان کڑاہ پرشاد کے پریمی ہیں۔ مسلمان بھی ویسے ہی اسکے خواہشمند ہیں۔ بلکہ کڑاہ پرشاد کا طریق بھی مسلمانوں سے ہی لیا گیا ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کے ہاں یہ ایک مشہور مقولہ چلا آرہا ہے۔ کہ

المؤمن حلوٌ یحبّ الحلوہ

کیونکہ مسلمان سبھاؤ سے میٹھا ہے۔ اسلئے یہ حلوہ سے محبت کرتا ہے۔ بیاہ شادی کے موجودہ اصول بھی جس کا بیان آگے آئیگا۔ وہ بھی اسلام سے ہی لئے گئے ہیں۔ اب ان مذکورۃ الصدر حوالہ جات کی موجودگی میں اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ کہ سکھ مذہب کے یہ قابل قدر اصول اسلام سے اخذ نہیں کئے گئے۔

پرنامی مت} عام طور پر یہ لوگوں میں پرنامی مت کے نام سے مشہور ہیں۔ مگر یہ لوگ باہمی اپنے آپ کو مومن ہی کہتے ہیں۔ اور عموماً یہ لوگ اپنے عقائد کو دوسروں پر ظاہر نہیں کرتے۔ ملنسار۔ فروتن طبع واقع ہوئے ہیں۔ قریباً

چار سو سال کا عرصہ ہؤا۔ کہ اس مذہب کے پہلے گورو شری دیو چند جی مہاراج امرکوٹ علاقہ مارواڑ میں پیدا ہوئے۔ دوسرے گورو شری پران ناتھ جی جام نگر علاقہ کاٹھیاواڑ میں پیدا ہوئے۔ توحید کے پیرو ہیں۔ ذات پات کے قائل نہیں۔ دنیا میں چار روحوں کو بہت با عظمت مانتے ہیں۔

(۱) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پاک روح کو (۲) شری دیو چند جی مہاراج کی روح کو (۳) جناب اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ کی روح کو (۴) چوتھی روح انکے نزدیک ابھی آنے والی ہے۔ ان کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ اس روح کے ظہور پر ہم اپنے عقائد کی اشاعت کرینگے۔ اور اسوقت ہمارا مذہب بہت پھیلے گا۔

جام نگر۔ سورت۔ آسام۔ بنگال۔ مارواڑ۔ گجرات وغیرہ میں اس مذہب کے پیرو اور ان کی بڑی بڑی گدیاں ہیں۔ پنجاب میں بھی اس مذہب کے کچھ پیرو ہیں۔ ان کا مقدس گرنتھ کل جم صاحب ہے۔ اس میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن پاک کی بڑی مہما لکھی گئی ہے۔

برہمو سماج اس مذہب کے بانی جناب راجہ رام موہن رائے ہوئے ہیں۔ انکے سوانح نگار لکھتے ہیں۔ کہ انہوں نے بچپن میں فارسی اور عربی کی تعلیم حاصل کی تھی۔ اور بعض فارسی اور عربی کی کتابیں پڑھنے سے ہی انکے دل میں توحید کا خیال پیدا ہؤا۔ اور جب انہوں نے دیکھا کہ وید توحید سے خالی ہے۔ تو انہوں نے ویدوں کو ترک کر دیا۔ یہ لوگ تناسخ کو نہیں مانتے۔ ذات پات کے عقیدے کے قائل نہیں ہیں۔ روح اور مادہ کو مخلوق مانتے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بڑی عزت کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ اس بات کو بخوبی سمجھتے ہیں۔ کہ سب سے اوّل جب کہ دنیا راہ راست سے بہت بھٹک چکی تھی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہی توحید کا علم بلند کیا۔ گویا کہ ان کی قوت قدسیہ نے انسانوں کو با خدا انسان بنایا۔ چنانچہ برہمو سماج کے ایک لیڈنگ ممبر جناب شردھے پرکاش دیو جی آنجہانی نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سوانحعمری بھی لکھی ہے۔ جو بہت مقبول ہوئی ہے۔

آریہ سماج نے تو بلاشُبہ نوّے فیصدی باتیں اسلام سے لی ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ اسلام کا شاگرد ہے۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ یہ شاگرد رشید ہے۔ یا کچھ اور۔

غور کرنے والی طبیعت کو اس مذہب میں دو باتیں خاص طور پر نمایاں نظر آئیں گی۔ وہ یہ کہ ان لوگوں نے ہوا کے رُخ کو دیکھ کر ویدک دھرم کی دیواروں پر اسلام کا سیمنٹ کرنا چاہا ہے۔ مگر یہ دیواریں اس سیمنٹ کو زیادہ دیر کے لئے برداشت نہیں کر سکیں گی۔

توحید کا عقیدہ انہوں نے اسلام سے لیا۔ مگر اس کے ساتھ روح اور مادہ کی ازلیت کا عقیدہ انہوں نے سانکھ درشن سے حاصل کیا۔ اکثر لوگوں کا یہ خیال ہے کہ سانکھ درشن کے مصنف دہریہ مزاج تھے۔ جس کا یہ نتیجہ ہے کہ سانکھ درشن کے اس عقیدہ کو لیکر آریہ سماج بھی قریباً نیم دہریہ بن گیا ہے۔ کیونکہ روح اور مادہ کی ازلیت کو تسلیم کرکے آریہ سماج نہ تو دعا کی قبولیت کا قائل ہے۔ اور نہ ہی خدا کے رحم اور بخشش کا معترف ہے۔ گویا آریہ سماج کے نزدیک ایک انسان تو کسی کا گناہ معاف کر سکتا ہے۔ مگر پرمیشور باوجود کرپالو اور دیالو ہونے کے کسی کا رتی بھر بھی گناہ معاف نہیں کر سکتا۔ اب عام لوگوں کے دلوں سے صرف آریہ سماج کا توحید کا عقیدہ ہی اپیل کرتا ہے۔ روح اور مادہ کی ازلیت کا گورکھ دھندا نہیں۔

نیوگ اور نکاح بیوگان آریہ سماج اصولاً نیوگ کا حامی اور نکاح بیوگان کا مخالف مگر عملی رنگ میں ...... آریہ سماج نیوگ کا تو نام بھی نہیں لیتا۔ ہاں نکاح بیوگاں جو اسلام کا عقیدہ ہے۔ اس پر بہت زور دیتا ہے۔ مگر اس جگہ عام دوستوں کو سمجھانے کے لئے کہ نیوگ اور شادی میں کیا فرق ہے۔ اس کا مختصراً ذکر ستیارتھ پرکاش سے لیکر درج ذیل کیا جاتا ہے۔

نیوگ سے کیا مراد ہے نیوگ سے مراد یہ ہے۔ کہ بیوی اپنے خاوند کی غیر موجودگی میں اور اس کے مرنے کے بعد اولاد کے لئے غیر مرد سے اپنے اور اپنے خاوند کے لئے اولاد پیدا کرے۔ اس کی مفصل تشریح کرنے

سے مسلم تہذیب مانع ہے۔ ہاں اگر کسی صاحب کو وضاحت مطلوب ہو تو وہ ستیارتھ پرکاش کا دوسرا اڈیشن صفحہ ۱۵۲ ورنہ کسی اور اڈیشن جہاں بیاہ شادی وغیرہ کا تذکرہ ہو اسے ملاحظہ کریں۔ جس سے ناظرین پر حقیقت واضح ہو جائے گی۔ کیونکہ ستیارتھ پرکاش کے تازہ سے تازہ ایڈیشن میں بھی نیوگ کا مفصل ذکر موجود ہے۔

ایسا کرنے سے گو ہمارے مضمون کا یہ حصہ بہت کمزور ہو گیا ہے مگر ہم نے بخوشی اسے پسند کیا ہے۔ کیونکہ ہمارا مطلب صرف تبلیغ حق ہے۔ کسی کا دل دکھانا نہیں۔ مگر ناظرین یہ بات تعجب سے سنیں گے۔ کہ آریہ سماج اپنے اس ویدک اصول کو ترک کر کے اسکے برخلاف نکاح بیوگان کے لئے جس کی سوامی دیانند صاحب نے اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں بڑی مخالفت کی ہے۔ اور جو ایک اسلامی طریق ہے۔ کے رائج کرنے کے لئے آریہ اخبارات میں بڑی بڑی اپیلیں اور اشتہارات شائع ہوتے رہتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آریہ سماج کے ممبروں کے قلوب اس اپنے ویدک مسئلہ کو پسند نہیں کرتے اور برخلاف اسکے نکاح بیوگان جو ایک اسلامی مسئلہ ہے اسکے سامنے انہوں نے اپنے ہتھیار ڈالدیئے ہیں۔ اب اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کہ اسلامی اصول اپنی ہمہ گیر خوبی کی وجہ سے کس طرح اپنے خطرناک سے خطرناک مخالفین کے دلوں میں بھی جگہ حاصل کر رہے ہیں۔

ایک لطیفہ } آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند نے آریوں کو یہ ہدایت کی تھی۔ کہ رنڈوے اور بیوہ عورتیں دوبارہ شادی نہ کیا کریں۔ بلکہ ان کے بجائے نیوگ کیا کرایا کریں۔ دوبارہ شادی کرنا شودر ذات کا کام ہے۔ چنانچہ رگوید آدی بھاشیہ بھومکا اردو صفحہ ۱۲۵ پر لکھا ہے

"دوج یعنے براہمن کھشتری اور ویش پہلے تین ورنوں کو دوسری بار بیاہ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ دوبارہ شادی صرف شودروں کے

لئے بتائی گئی ہے۔"

آریہ سماج کے ہمارشی کا تو یہ حکم ہے۔ لیکن آج آریہ سماجی نیوگ کو چھوڑ کر نکاح ثانی کو ترجیح دے رہے ہیں۔ جو بقول سوامی دیانند جی شودروں کا کام ہے۔ اب آریہ سماجی دوست بتائیں۔ کہ اب آریہ سماج کو "شودر سماج" کیوں نہ سمجھا جائے۔ کیونکہ آریہ سماجی۔ آریہ دہرم کو تلانجلی دیکر شودر دہرم پر عمل پیرا ہیں۔ شدھی سبھا کو چاہیئے۔ کہ پہلے ان شودروں کی شدہی کرے۔ جو آریہ دھرم سے پتت ہو گئے ہیں: پھر بعد میں دوسرے شودروں کی طرف متوجہ ہو۔

قدیم زمانہ کی مرغوب طبع کھانے پینے کی چیزیں

وہی فاضل مصنف جناب پنڈت رومیش چندر دت صاحب سی۔ آئی۔ ای مصنف دی سویلزیشن ان شنٹ انڈیا (قدیم ہندوستان کی تہذیب) کے باب ۹ میں لکھتے ہیں۔ کہ قدیم زمانہ میں بھنے ہوئے جو بطور غذا استعمال ہوتے تھے۔ اور دیوتاؤں کے بھینٹ (نذر) چڑھائے جاتے تھے۔"

گویا بھنے ہوئے جو آریوں کی ایسی مرغوب طبع غذا تھی کہ اور تو اور دیوتاؤں کو بھی خوش کرنے کے لئے اس کا نذرانہ ضروری تھا۔ اور آج کل بھی ہندو دہنوں میں جو ایک پوتر اور پاکیزہ شئے مانی جاتی ہے۔

میرے خیال میں پہلی شق کے لئے صرف اسی قدر حوالہ کافی ہوگا۔

ہاں ایک اور چیز جس کا ذکر وید مقدس میں اور آرین لٹریچر میں بار بار پایا جاتا ہے — — — — — — — — — — — — — — جس پر آریہ

لوگ بہت فریفتہ تھے۔ وہ سوم رس ہے۔ جو سوم لتا سے حاصل کیا جاتا تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں۔ کہ یہ سوم لتا (نباتات) اب مفقود ہو چکی ہے۔ اور اس کل یگ (پیچ اعوج) کے زمانہ میں اس نعمت غیر مترقبہ یا آب حیات اور امرت رس کا میسر آنا ناممکنات سے ہے۔ مگر ہمیں اس کے لئے اسقدر بے صبر نہ ہونا چاہیئے۔ وید مقدس اور دیگر ہندو کتب ہمارے سامنے ہیں۔ وہ اس امرت رس یا امرت پھل کے سراغ لگانے کے لئے الحمدللہ ہماری کافی رہنمائی کرتی ہیں۔ اور اب بھی ہم لوگ اس "نعمت عظمیٰ" کو اسی سہولت سے حاصل کر سکتے ہیں۔ جس سہولت سے کہ آج سے ہزارہا سال قبل لوگ حاصل کر سکتے تھے۔ اور مجھے توقع رکھنی چاہیئے۔ کہ اس ڈسکوری یا انکشاف پر آریہ صاحبان خصوصیت سے میرا شکریہ ادا کریں گے۔ گو آجکل ہمارے آریہ بھائیوں کو اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ جو ایک گونہ پرخاش ہے۔ اس کی خراش نے آریہ دوستوں کے قلوب کو اس قدر تنگ کر دیا ہے۔ کہ اس کی موجودگی میں آریہ دوستوں سے یہ خواب میں بھی "توقع" نہیں ہو سکتی۔ کہ وہ اس نئی دریافت پر کسی مسلمان کا شکریہ ادا کریں۔ ہاں اگر یہی دریافت کسی ودیا دھر یا رام سروپ یا جے دیال وغیرہ کی طرف سے ہوتی تو بلاشبہ آج آریوں کے گھروں میں گھی کے چراغ جگمگا رہے ہوتے۔ اور اس کا اس قدر چرچا ہوتا کہ قریباً کل اخبارات کے کالم اس سے مزین ہوتے۔ اور بڑے بڑے پوسٹر شائع کئے جاتے۔ مگر خیر ہمیں اسبات کی پرواہ نہیں۔ ایک مسلمان کا دل دنیا کی ظاہری واہ واہ سے بہت بلند ہونا چاہیئے۔ اسلئے بدوں کسی غرض کے محض افادہ عام کے لئے سوم رس کے متعلق آج ہم نئی دریافت لوگوں کے سامنے رکھتے ہیں۔ وید مقدس اور ہندو صاحبان کے دیگر معتبر گرنتھ اس روح حیوان بوٹی کی صفت یا حلیہ بدیں الفاظ بیان فرماتے ہیں۔

وید سوم سبز رنگ کی ہوتی ہے۔ (دیکھو رگوید منڈل ۹ سوکت ۶۵ رچا ۸) اور تروکت ادھیائے ۴ کھنڈ ۱۵ میں لکھا ہے۔ سوم ہوتا ہے سبز رنگ کا (۲) اس کے پتے ٹیڑھے روئے دار ہوتے ہیں۔ (منڈل ۹ سوکت ۶۶ رچا ۲)

(۳) یجیہ کی خواہش کرنے والوں نے پانیوں کی پیدا کی ہوئی سوم ..... جو طاقت دینے والی ہے۔ تم دو والوں کو دی ہے۔ وہ سوم جلال والی غیر فانی بہت روم یعنے بال رکھنے والی قدیمی سکتوں کے مانند ادہر گرد سے ترچھے پتے۔ مطلب یہ ہے کہ سوم کا پودا دریا یا پانی کے کنارے اُگتا ہے .... رگوید (۵-۱/۱۳۵) اسکے پتے ترچھے اور نوکیلے ہوتے ہیں۔ اور پتوں پر بہت سے چھوٹے چھوٹے بال اور روم ہوتے ہیں ؎

دی سویلزیشن ان شنٹ آف انڈیا (قدیم ہندوستان کی تہذیب) کے فاضل مصنف جناب پنڈت رومیش چندر دت صاحب اپنی اس مشہور زمانہ کتاب کے باب ۵ میں اس سوم لتا یا روح حیوان بوٹی کے متعلق حسب ذیل معلومات بہم پہنچاتے ہیں۔

یہ ایک منشی شربت معلوم ہوتا ہے۔ جس کا استعمال وید کے زمانہ میں کیا جاتا تھا۔ اور قدیم آریہ اس شربت کے بہت خوگر تھے ...... اس نے ایک معبود کی مانند جلد پرستش کا درجہ پالیا تھا۔ ہم اس معبود کے نام پر ایک پورا منڈل یا کتاب رگوید میں موجود پاتے ہیں۔ ہندوستان کے آریہ اس منشی عرق کے زیادہ عادی معلوم ہونے لگے۔ ژندا وستا میں بھی اکثر اشارات ان کے ہندی بھائیوں کی اس نفرت انگیز عادت کے متعلق دیکھے جاتے ہیں۔

بعض قدما کا یہ خیال ہے۔ کہ ان نااتفاقیوں کی یہ ایک بڑی دلیل ہے جنہوں نے جنوبی آریہ لوگوں میں پھوٹ ڈالدی تھی۔

وہ عمل جس کے ذریعہ سوم کا رس تیار کیا جاتا تھا۔ (رگوید) کے نویں منڈل کے منتر ۶۶ اور دوسرے منتروں میں پورے طور پر بیان ہوا ہے۔ ہم چند ریچائیں اس منتر سے یہاں ترجمہ کرتے ہیں۔

(۲) ہے سوما تیری دو پتیوں نے یکے بعد دیگرے کیفیت کو بدل دیا۔ اور اس سے تو نے بلندی حاصل کی تھ

(۳) ہے سوما وہ پتیاں تجھکو ایک بیل کی مانند ہر طرف سے ڈھانک لیتی ہیں۔

اور تو تمام موسموں میں سرسبز اور تازہ رہتا ہے۔
(۴) ہے سوما تو نچوڑا جاتا ہے۔
(۸) تجھکو عورتیں اپنی انگلیوں سے جنبش دیتی ہیں۔ اپنی آوازوں کو تیرے سامنے ایک سے بیں ملاتی ہیں۔
(۹) تو ایک خوش آیند صدا کے ساتھ پانی میں ملجاتا ہے۔ اور وہ انگلیاں کپڑے کی صافی کے اندر تجھکو ہلاتی ہیں۔ اور اِدھر اُدھر حرکت دیکر تجھکو چھانتی ہیں۔ پھر تیرا فضلہ پھینک دیا جاتا ہے۔
(۱۱) وہ کپڑے کی صافی ایک ظرف پر رکھی جاتی ہے۔ اور انگلیاں بار بار سوما کو ہلاتی ہیں۔ جس سے ایک سیدھی دھار اس ظرف میں گرتی ہے۔
(۱۲) ہے سوما پھر تجھ میں دودھ ملایا جاتا ہے۔ اور ایک دلکش آواز کے ساتھ پانی تیری طرف دوڑتا ہے۔"

پھر اور ملاحظہ ہو سوم .... سل بٹے پر رگڑ کر تیار کی جاتی ہے۔ اس میں ٹھنڈا پانی ملایا جاتا ہے۔ (رگوید $\frac{۶۱۳}{۲۱}$)

آپ کے لئے سوم لتا کا رس ہو اعلےٰ ذائقہ رکھتا ہو۔ جس میں شہد ملایا جاتا ہے۔ پینے کے قابل ہے۔ (رگوید $\frac{۶۴۴}{۲۱}$)

اسے بڑھنے اور بڑھانے والے سوم لتا کا رس دوستوں کے لئے اور شریف اصحاب کے لئے۔ اخلاق کے اعلیٰ بنانے کے لئے صبح کے وقت جبکہ سورج کی کرنیں پڑنے لگتی ہیں۔ جو اچھی طرح تیار کیا گیا ہے۔ تم اسکو پیو" (رگوید $\frac{۱۳۷}{۲}$ ا

اب اسقدر تعریف اور حلیہ اور شکل و شباہت جو ہندوؤں کے قدیم کتب سے ہمارے سامنے آچکی ہے۔ اب ہمیں سوم لتا کے پتہ اور سراغ لگانے میں چنداں دقت نہیں معلوم ہوتی۔ کیونکہ۔
(۱) سوم لتا کے پتے سبز ہوتے ہیں۔ (۲) تر چھے اور اس پہ چھوٹے چھوٹے (م
(۳) یہ پودے عموماً دریاؤں یا نالابوں کے کناروں پر پیدا ہوتے ہیں۔ (۴) اسے

سل بٹے یا ڈنڈے کونڈے میں رگڑا جاتا ہے۔
(۵) کپڑے کی صافی کے ذریعہ اس کا رس یا عرق دوسرے برتن میں نچوڑا جاتا ہے۔
(۶) اس کا رس انگلیوں کی حرکت سے ٹپکایا جاتا ہے۔ (۷) اس میں دودھ اور شہد ملایا جاتا ہے۔ (۸) اس کو صبح کے وقت پیا جاتا ہے۔ (۹) اس کے پینے سے نشہ حاصل ہوتا ہے۔

اب یہ علامات اور نشانات ہمارے سامنے اس امر کا قطعی فیصلہ کر دیتے ہیں کہ یہ سوم لتا کوئی نایاب چیز نہیں ہے۔ اب آپ خود اس امر کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں (۱) کہ وہ کونسی چیز ہے جس کا پودا پانی کے کناروں پر پیدا ہوتا ہے۔ (۲) سبز ہوتا ہے۔ (۳) پتے ترچھے نوکدار اور روئیں دار ہوتے ہیں۔ (۴) اسے لوگ ڈنڈے اور کونڈی سے رگڑتے اور کپڑے کے ذریعہ اسکو چھانتے ہیں۔ (۵) اس میں میٹھا یا دودھ ملایا جاتا ہے۔ (۶) اور اس کو صبح کے وقت پیا جاتا ہے۔ (۷) اس سے نشہ پیدا ہوتا ہے۔ کیا اب بھی سوم لتا کے انکشاف میں کسی کو شبہ کی گنجایش ہے۔ اور یہ اسلام کے ہی تمدن کا اثر ہے۔ کہ اب علانیہ اس نشہ آور چیز کو برا سمجھا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ سوامی دیانند صاحب کو بھی تجربہ کے بعد اسے علانیہ "بڑا عیب" کہنا پڑا۔ دیکھو سوامی صاحب موصوف کی خود نوشت سوانحعمری صفحہ ۲۰۔ اور پنڈت رویش چندر دت صاحب اپنی مشہور کتاب "قدیم ہندوستان کی تہذیب" کے باب ۳ میں اسے "نفرت انگیز عادت" کہنے پر مجبور ہوگئے۔ کیا یہ ہندو مذہب پر اسلام کے تمدن اور تہذیب کا ایک زبردست اثر نہیں ہے۔ ورنہ اگر اسلام کی تہذیب ہندوستان پر جلوہ گر نہ ہوتی۔ تو اسوقت ہی بقول سوامی دیانند صاحب "بڑا عیب" اور پنڈت رویش چندر دت صاحب اس "نفرت انگیز عادت" کے لئے غالباً چنداں نفرت کا اظہار نہ ہوتا۔ یہ اسلام کی ہی تہذیب کا اثر ہے۔ کہ اب اسے عرف عام میں بہت برا سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ اسلام ہی دنیا میں ایک پہلا مذہب ہے۔ جس نے منشی اشیاء کے استعمال کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔

ذات پات کا عقیدہ

اگرچہ عرف عام میں ہندو چار ذاتوں یا گروہوں میں منقسم ہیں۔ برہمن۔ کھشتری۔ ویش۔ شودر۔ مگر اسی پر اکتفا نہیں ہے۔ آگے ذات در ذات کی تقسیم اس قدر وسیع ہے۔ جو ہر ایک غور کرنے والے کو حیرت میں ڈال دیتی ہے۔ مثلاً برہمنوں کے ۱۸۸۶۔ کھشتریوں کے ۵۹۰ اور ویش و شودروں کے فرقے ملاکر کل ۳ ہزار بنتے ہیں۔ اور پھر یہ ایک دوسرے سے اسقدر متنفر اور بیگانہ ہیں کہ ہر ایک فرقہ دوسرے کو خاطر میں نہیں لاتا۔ اور منو شاستر میں جو شودر اور دیگر اونچی اقوام کے حقوق قائم کئے گئے ہیں وہ اس قدر حیرت افزا ہیں۔ کہ ناواقف آدمی تو ایک دفعہ انگشت بدندان ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مثلاً منو سمرتی میں برہمنوں کے متعلق لکھا ہے۔ کہ

دُنیا میں جس قدر دولت ہے۔ سب کا مالک برہمن ہے۔ ۱/۱۰۰ (منو ادھیائے ایک۔ شلوک ۱۰۰) جاہل ہو خواہ عقلمند برہمن بڑا دیوتا ہے۔ ۸/۱۳۷

برہمن چوری کرے۔ تو راجہ اس کو سزا نہ دے۔ کیونکہ راجہ کی نالائقی سے ہی برہمن نے بھوکے ہو کر چوری کی ۱۱/۲۱ اس کے مقابلہ پر ذرا شودر کے حقوق ملاحظہ کیجئے۔

شودر کو نہ عقل سکھلاؤ نہ مذہبی تبلیغ کرو۔ ۴/۱

اگر شودر اونچی ذات والوں کے نام لیکر بلائے۔ تو اس کے حلق میں دس انگل لاتپے لوہے کا کیل آگ کی طرح گرم کرکے ٹھونس دو۔ ۸/۲۷۱

شری رامچندر جی اور ایک شودر

اللہ کے نبی یا اوتار دنیا میں اس لئے تشریف لاتے ہیں۔ کہ وہ مظلوم دنیا کے حامی ہوں۔ اور انہیں ظلم و تشدد سے نکالکر امن اور سکھ کی سٹیج پر لا کھڑا کریں۔ مگر ہندو دھرم کے لٹریچر میں ہم اس کے برعکس پاتے ہیں۔ بالمیکی رامائن اتر کانڈا۔ ۷۶ میں لکھا ہے۔ کہ

"ایک برہمن کا لڑکا۔ بیمار ہو کر فوت ہو گیا۔ اور سب کو یہ فکر پڑی کہ برہمن کے لڑکے کی اس جواناں مرگ کا کیا باعث ہوا۔ آخر بڑے غور کے بعد انہوں نے یہ پتہ لگایا

کہ ایک شودر نجات کے حصول کے لئے جنگل میں ریاضت کر رہا ہے۔ کیونکہ شودر کو کوئی حق نہیں۔ کہ وہ ریاضت کر کے نجات کا حقدار بنے۔ وہ تو صرف اونچی ذات والوں کی خدمت گذاری کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اسلئے برہمن کا لڑکا عالم شباب میں فوت ہوُا۔ چنانچہ لکھا ہے۔ کہ شری رام چندر جی جنگل میں موقع پہ پہنچے۔ اور اس شودر سے سوال کیا۔ کہ تم کیوں عبادت کر رہے ہو۔ اس نے یہ جواب دیا۔ کہ نجات کی خاطر۔ شری رام چندر جی نے کہا۔ کہ ایک شودر کو نجات کا حق نہیں۔ یہ کہکر اور تلوار میان سے سونت کر شودر پہ چلائی۔ اور اس نجات کے خواہشمند شودر کا سر تن سے جُدا کر دیا۔ لکھا ہے کہ اس کے بعد معاً برہمن کا جوان لڑکا زندہ ہو گیا۔ اور دیوتاؤں نے آسمان سے شری رام چندر جی پہ پھُول برسائے۔ کہ آپ نے یہ بہت بڑا کارِ خیر انجام دیا۔ کہ نجات کے طالب شودر کا سر تن سے جُدا کیا۔ جس سے ایک برہمن کے نوجوان مردہ لڑکے کو از سرِ نو زندگی حاصل ہوئی۔" شری رام چندر جی مہاراج کی میرے دل میں عزت ہے آپ جیسے دھرماتما کی شان سے یہ بہت بعید ہے۔ مگر اس سے کم از کم اسوقت یا مابعد کے ہندو صاحبان کی ذہنیت کا پتہ لگ سکتا ہے۔ کہ انکے دل میں شودروں کے لئے کیا درجہ تھا۔

اس سے آپ صاحبان اسکا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ مسلمانوں کے ورودِ مسعود کے قبل ہندوستان میں خود بنی نوع انسان کے ایک فرقہ کی اپنی دوسرے فرقہ کے ہاتھوں ہی کیا درگت ہو رہی تھی۔ ایک اونچی ذات والے کے نزدیک حیوان کچھ حقیقت رکھتا ہو تو رکھتا ہو۔ مگر ایک شودر کہلانے والا انسان رذیل حیوانوں سے بدتر سمجھا جاتا تھا۔

آج جو شدھی کا غوغا اور ولولہ ہے۔ اور کہا جاتا ہے۔ کہ پیدائش سے کوئی شودر نہیں۔ یہ صرف اسلام کے مبارک قدم کا ہی نتیجہ ہے۔ ورنہ ہندو صاحبان کے گرنتھ اس تحریک اشدھی کے سخت مخالف ہیں۔

آرین کتب میں شدھی کا دروازہ بند

اسوقت چار دانگ عالم میں آریہ سماج نے شدھی کا شور بپا کر رکھا ہے۔ بظاہر ہمارے لئے اس میں کوئی بُرا منانے کی بات نہیں۔ کیونکہ جس طرح ایک مسلمان کو یہ حق ہے۔ کہ وہ دوسرے غیر مسلم کو احسن طریق سے مسلمان بنائے۔ اسی طرح ایک غیر مسلم کو یہ حق ہونا چاہیئے۔ کہ وہ اپنے مذہب میں اوروں کو شامل کرے۔

مگر اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ آریہ سماج جو شدھی کا راگ الاپ رہا ہے۔ یہ اس کے حال کی اختراع اور ایجاد ہے۔ یا ویدوں کی قدامت کی طرح یہ بھی قدیم ہی ہے اور ویدک دھرم کے بزرگان اسلاف میں بھی اسکا پتہ چلتا ہے۔ وید سمرتی پُران اور آریہ سماج کی مسلمہ کتب بھی اسکا ساتھ دیتی ہیں یا نہیں۔ اگر آریہ سماج کی مسلمہ کتب اور ان کے بزرگان اسلاف میں ان کا نمونہ پایا جاتا ہو۔ تو چشم ما روشن دل ما شاد۔ ہمارے لئے کوئی بُرا منانے کی بات نہیں۔ اور اگر نہیں۔ جیساکہ واقعات اور آریہ سماج کی مسلمہ کتب کے نوشتوں سے ظاہر ہے۔ تو انصاف اور حق جوئی اور حق گوئی اس امر کا ہر ایک انسان سے مطالبہ کرتی ہے۔ کہ آریہ سماج اس تحریک سے جس قدر جلدی ممکن ہو سکے۔ ہاتھ اُٹھائے جسکا ذکر ان کی مسلمہ کتابوں میں اشارتاً و کنایتاً بھی نہ پایا جاتا ہو۔ اور نہ اس مذہب کے بزرگان اسلاف ایسا نمونہ پیش کرتے ہوں۔ اور اگر آریہ سماج کسی مصلحت سے شدھی کی تحریک سے ہاتھ اُٹھانے سے معذور ہے۔ تو چاہیئے کہ بجائے ایسی کتابوں کا دم بھرنے کے جن میں شدھی کا نام نہیں۔ وہ اپنے لئے اور کوئی ایسا راستہ اختیار کرے۔ جس میں ایسی نیک اور عمدہ تحریک کی تعلیم اور سکشا پائی جاتی ہو۔ ورنہ جیساکہ ۲۳ مئی ۱۹۲۶ سوامی شردھانند آنجہانی نے یہ کہا تھا۔ کہ جب تک ہم اچھوت اقوام یا نو مسلم راجپوتوں کو اپنے ساتھ نہیں ملاتے

تب تک ہم سوراجیہ حاصل نہیں کر سکتے۔جس کا یہ مطلب تھا۔کہ یہ ایک صرف سیاسی تحریک ہے۔نہ مذہبی۔ایک وقت تھا۔جب مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے سیواجی نے بھی اچھوت اقوام کو اپنے ساتھ ملالیا تھا۔مگر وقت نکل جانے اور مطلب حاصل کر لینے کے بعد پھران اقوام کو دھتکار دیا گیا تھا۔اب بھی پھر موقع گزر جانے کے بعد بخوشی اس واقعہ کو۔ - دُہرایا جا سکتا ہے۔اور دس پر اتر آنے والے مطلب حاصل کر لینے کے بعد بخوشی ان اشدھ ہونے والوں کو خواہ وہ اچھوت ہوں۔یا نو مسلم راجپوت ہوں۔مکھن سے بال کی طرح الگ کر سکتے ہیں۔کیونکہ ان کی مذہبی کتابیں اس امر کی اجازت نہیں دیتیں۔یہی وجہ ہے کہ باوجود زیادہ سے زیادہ ڈینگیں مارنے کے بھی آریہ سماج وغیرہ اشدھ شدھوں سے کوئی روٹی بیٹی کا تعلق پیدا کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکی۔چنانچہ **اخبار عام** اور دیگر سناتنی پنڈتوں نے یہ کہہ بھی دیا ہے۔کہ ہم اشدھ شدھوں سے کوئی روٹی بیٹی کا تعلق نہیں رکھ سکتے۔

اب ہم اس اصول کو مدنظر رکھ کر آریہ سماج کے حال کی کل مسلمہ کتابوں پر ایک سرسری نظر ڈالنا چاہتے ہیں۔اور ایک محقق اور ثالث بالخیر کی حیثیت سے آریہ سماج کی کتابوں میں یہ تلاش کرتے ہیں۔کہ اس تحریک کا ذکر آریہ سماج کی کتابوں میں کہاں تک پایا جاتا ہے۔

اب ہم یہاں بھگوان **منو** کے وہ شلوک پیش کرتے ہیں جسے پنڈت دیانند جی نے ستیارتھ پرکاش باب ۹ کے اخیر پر تناسخ کا ثبوت لوگوں کے سامنے پیش کرنے کے لئے بھگوان منو کے ان شلوکوں کو بطور سند اور سرٹیفکٹ کے پیش کیا ہے۔اس سے آپ اندازہ لگا سکیں گے۔کہ بھگوان منو کے وہ شلوک کیسے معتبر اور قابل وثوق ہیں اور پھر پنڈت دیانند جی نے انہیں اپنے بیان کی مضبوطی اور وادفع کرنے کے لئے ستیارتھ پرکاش کے باب ۹ میں درج کر کے ان کے معتبر ہونے پر اور بھی تصدیقی مُہر لگا دی ہے نیز ستیارتھ پرکاش سے جو حوالہ پیش کیا جائیگا۔وہ ہمارے سماجی دوستوں کے لئے بدوں کسی شک و شبہ کے قابل وثوق اور قابل یقین ہوگا۔کیونکہ ستیارتھ پرکاش آریہ سماج

کے نزدیک وہ بے نظیر کتاب ہے کیونکہ جب ۱۹۱۱ء میں حضور شہنشاہ جارج پنجم نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے ہندوستان کو شرف بخشا تھا۔ تو اُس وقت ہمارے آریہ دوستوں نے بجائے کسی وید کے ستیارتھ پرکاش کا تحفہ حضور شہنشاہ معظم کے پیش کرنا ضروری سمجھا تھا۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ آریہ سماج کے نزدیک ستیارتھ پرکاش کیسی بے نظیر کتاب ہے۔ اسلئے اپنے دوستوں کی خاطر ہم بھی اسی معتبر کتاب سے حوالجات پیش کرتے ہیں۔ کہ جن میں شودر یا برہمن کو گذشتہ جنموں کے بد یا نیک اعمال کے مطابق جنم ملنا لکھا ہے۔ سوامی صاحب ستیارتھ پرکاش بحوالہ نہم صفحہ ۳۳۴۔ ایڈیشن اردو سنہ ۱۹۰۸ء پر مندرجہ ذیل شلوکوں کو بطور حجت لکھ کر بیان فرماتے ہیں۔ شلوک ۵

شریرجیی کرم۔ دوشیر یاتی ستھاورتاں ترو ⁂ واچ کیئیہ پکش مرگیاں مانسرُت جاتی نام

مطلب۔ جو شخص بذریعہ جسم کے چوری دوسرے کی عورت سے مباشرت یا نیک آدمیوں کی ہلاکت وغیرہ بدکام کرتا ہے۔ اس کا جسم درخت وغیرہ متحرک قالبوں میں ہوتا ہے۔ زبان سے کئے ہوئے پاپوں کا عوض پرندا ور مرگ (جنگلی چوپایہ) وغیرہ کا قالب۔ اور منی سے کئے ہوئے پاپوں کے بدلے چنڈال وغیرہ کا جسم ملتا ہے۔ (منو ۱۲-۹)

اسجگہ بھگوان منو نے یہ شلوک جنم کے متعلق فرمایا ہے۔ اور پنڈت دیانند نے جو اسکا ترجمہ کیا ہے۔ وہ اظہر من الشمس ہے۔ پنڈت جی اس مذکورہ بالا شلوک کا ترجمہ فرماتے ہیں۔ کہ جو شخص بذریعہ جسم کے دوسرے کی عورت سے مباشرت کرے۔ وہ درخت اور نباتات وغیرہ کے قالبوں میں ڈالا جائیگا۔ اور زبان سے کئے ہوئے پاپوں کے عوض پرندا ور چوپائے وغیرہ کا جنم ملیگا۔ اور من سے کئے ہوئے پاپوں کے عوض اگلے جنم میں چنڈال کا جنم ملے گا۔

اب جبکہ بقول منو جی مہاراج اور پنڈت دیانند صاحب کے ایشور جی مہاراج نے جنم کے متعلق یہ حدود قائم کردی ہیں۔ تو پھر کون شخص ہے۔ جو اُسے آگے پیچھے

ادھر اُدھر کر سکے۔ اگر کوئی آدمی چنڈال ہے تو بقول منوجی اور دیانندجی کے اپنے پچھلے جنم کے افعال کا نتیجہ بھگت رہا ہے۔ اور خود ایشور مہاراج نے اس شخص کو اس قالب میں ڈالا۔ اب سماجی دوستوں کا چنڈالوں وغیرہ کا شدھ کرنا یہ صریح اس سرب شکتیمان ایشور کی مخالفت ہے۔ اگر یہ کہا جاوے کہ ہماری دوسری کتابوں میں یہ لکھا ہوا ہے۔ اور ہمارے فلاں رشی کا یہ قول ہے تو صاف ظاہر ہے کہ ایشور مہاراج کا کیا ہوا فیصلہ انسان نہیں توڑ سکتا۔ ایک جج کا فیصلہ دوسرا جج ردّ نہیں کر سکتا۔ اس کے لئے چیف کورٹ کی طرف رجوع لا سکتا ہے۔ مگر یہ نہیں کہ ایشور تو کسی انسان کو چنڈال بنا دے۔ اور ایک رشی یا مہارشی یہ چاہے۔ کہ اس چنڈال کو برہمن یا چھتری بنا دے۔ ناممکن ناممکن از ازل تا ابد؟

دوم۔ جب ایشور بقول منوجی اور دیانندجی کے کسی شخص کو چوری یا بدکرداری کی وجہ سے درخت وغیرہ کی جون میں ڈالتا تو کوئی دنیا کی طاقت اس درخت کو شدھ کر کے پرندا اور چرند نہیں بنا سکتی۔ اور نہ اور درخت کا پرند بنتا تو الگ رہا۔ کوئی طاقت کیکر کے درخت کو آم یا سنگترہ کا درخت نہیں بنا سکتی۔ پس جب ایک کیکر کا درخت آم یا نارنگی کا درخت نہیں بن سکتا۔ تو کون طاقت ہے۔ جو چنڈال سے برہمن بنا دے۔ جبکہ درخت بھی بُرے کرموں کا نتیجہ اور چنڈال بھی بُرے افعال کا ثمرہ ہے۔ بلحاظ کردار کے دونوں کی نوعیت ایک ہی ہے۔ اسیطرح بقول پنڈت دیانند اور منوجی زیادتوں سے کئے ہوئے کاموں کا عوض پرند چرند وغیرہ ہیں۔ تم میں سے کسی نے یہ نہیں دیکھا ہو گا کہ دنیا کا کوئی آریا یا کوئی شدھی ایک کوّے کو جو بقول دیانندجی اپنی بدزبانی کی وجہ سے کوّے کی جون میں ڈالا گیا ہے۔ اسے ہنس بنا دے تو پھر یہ کس طرح اور کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ ایک وہ شخص جو اپنی بدزبانی یا بدکرداری کیوجہ سے چنڈال کی جون میں ڈالا گیا ہے۔ وہ شدھ ہو کر ویش یا چھتری اور برہمن بن جاوے۔ ہمارے شدھی کے حامی دوستوں کو چاہیئے کہ پہلے کیکر کے درخت کو نارنگی کا درخت اور ایک کوّے کو ہنس بنا دیں۔ اس کے بعد پھر چنڈال کو

برہمن بنانے کی حامی بھریں۔

میرے دوستو! جب کیکر نارنگی اور کوا ہنس نہیں بن سکتا ہے۔ تو ایک شودر برہمن کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ قابل غور سوال ہے۔ آگے اور شلوک ملاحظہ فرماویں۔

ستھاور ماہ کرم کیا ہیچ متسیاہ سپر ماہ سکچھپا یاہ
پسو شیچ۔ مرگا شیچیو جگتیاں تا مسن گیتہ

ترجمہ۔ ا۔ جو نہایت درجہ کے توگی ہیں۔ وہ غیر متحرک درخت وغیرہ کیڑے کموڑوں مچھلی۔ سانپ۔ کچھوے۔ مویشی اور مرگ (جنگلی چوپایہ) کا جنم پاتے ہیں۔
(منو ۱۲ و ۴۲ شلوک)

آگے اور شلوک ملاحظہ فرمائیے۔

ہستی شیچ تزنگا شیچ شودرا ملیچھا شیچ گرہتیاہ
ہنسا۔ ویا گرہ۔ براہا۔ شیچ۔ مدہما تا مسی گیتہ

ترجمہ۔ جو متوسط درجہ کے تموگنی ہیں۔ وہ ہاتھی۔ گھوڑا۔ شودر ملیچھ اور قابل مذمت کام کرنیوالے شیر پلنگ اور سوکر یعنی سور کا جنم پاتے ہیں۔" (منو ۱۲۔ ۴۳)

بقول آریوں کے اگر شودر وغیرہ جنم سے نہیں بلکہ کرم سے ہوتا۔ تو گھوڑے ہاتھی کے ذیل میں نہ رکھا جاتا۔ کیونکہ شودر اور گھوڑا وغیرہ کے جنم پانے والے گناہوں کی نوعیت ایک ہی ہے۔ نوعیت میں سرمو فرق نہیں۔ اگر شودر جو متوسط درجہ کے تموگنی ہونے کے باعث شودر کے قالب میں ڈالا گیا ہے۔ ایسے ہی گھوڑا جو متوسط درجہ کے تموگنی ہونے کے باعث گھوڑے کی جون میں ڈالا گیا ہے۔ دونوں کی نوعیت گناہ میں سرمو فرق نہیں ہے۔ تو پھر کیا وجہ کہ آریہ شودر کو تو شدھ کر کے چھتری وغیرہ بنالیں۔ اور گھوڑے گدھے کو شدھ کر کے انسان نہ بنا سکیں۔ علاوہ بریں آریوں کا یہ دعوے کہ برن یعنے ذاتوں کی تقسیم افعال سے ہے۔ جنم سے نہیں۔ یعنے ایک انسان اگر برہمن کے گھر میں پیدا ہو کر برے کام کرے۔ تو وہ آریوں کے نزدیک برہمن نہیں رہے گا۔ مگر پنڈت دیانند اور منوجی کا یہ عقیدہ نہیں تھا۔ منوجی اور دیانند جی کہتے ہیں۔ کہ

تموگنی ہونیکا نتیجہ آیندہ جنم میں گھوڑا اور شودر وغیرہ کا بننا ہے۔ گھوڑے کے ساتھ مشابہت اس امر کو نہایت توضیح اور تصریح سے بیان کرتی ہے کہ ذات جنم سے ہے۔ کرم اور افعال سے ہرگز نہیں۔ کیونکہ گھوڑا اور شودر بقول پنڈت دیانند جی کے دونوں کا گناہ یکساں ہے۔ تو ہم ایک گھوڑے کو کبھی بھی گائے یا بھینس کہنے کو تیار نہیں۔ خواہ وہ دودھ بھی دیتی ہو۔ ہم ایک اونٹ کو کبھی بھی بیل کہنے کے لئے تیار نہیں ہونگے۔ خواہ وہ بیل کی طرح ہل میں بھی جوتا جاتا ہو۔ تو پھر جب ہم اونٹ کو بیل گھوڑی کو بھینس نہیں کہہ سکتے۔ تو پھر شودر کیسے برہمن سمجھا جا سکتا ہے۔ جبکہ بقول دیانند صاحب دونوں کا یعنے گھوڑے اور شودر کا گناہ یکساں اور دونوں ہی متوسط درجہ کے تموگنی ہونے کے لحاظ سے ایک شودر اور دوسرا گھوڑا بن گیا۔

اب غور فرمائیے۔ شراب نوش اور بدچلن اور موذی ہونا یہ بھی پہلی زندگی یا اعمال سابقہ کا ہی نتیجہ ہے۔ اب جبکہ صورت حال یہ ہے۔ تو آریہ ساجی دوستوں کا پلیٹ فارموں پر کھڑے ہو ہو کر یہ شور مچانا کہ بدچلنی اور زناکاری کو ترک کر دو یہ کس طرح زیبا ہے۔ کیونکہ خود ایشور نے انہیں ان کے اعمال سابقہ کی وجہ سے شراب نوش بدچلن اور موذی بنا دیا۔ اب کون ہے جو ایشور کے حکم کو ٹال سکے؟ اندریں حال آریہ لوگ انہیں شراب نوشی اور بدچلنی وغیرہ سے باز رکھنا یہ ایشور کے حکم کی صریح مخالفت ہے اور ایشور کے حکم کی مخالفت کرنے والے کے لئے جو سزا دیانند صاحب اور منو جی تجویز فرماتے ہیں۔ وہ بھی آریوں سے پوشیدہ نہیں ہوگی۔

اور پھر جبکہ افضل تموگنی ہونے کے باعث ایشور نے بقول آنجہانی دیانند صاحب کے ایک شخص کو بدچلنی اور شراب نوشی کے لئے مجبور کر دیا۔ تو پھر اس قسم کی بدچلنی اور شراب نوشی بھی ضرور آیندہ جنم میں اپنا اثر دکھلائے گی۔ لہذا آریہ دھرم میں نجات مشکل ہے کیونکہ شراب نوشی اور بدچلنی اُنکے گناہوں کا کفارہ نہیں بلکہ ازدیاد کا موجب ہے۔

اب حیرانی در حیرانی یہ ہے۔ کہ اوّل درجہ کے زناکار اور شراب نوش کو شودروں پر ترجیح دی ہے۔ کیونکہ شراب نوش اور زناکار تو افضل درجہ کے تموگنی ہیں۔ اور شودر

متوسط درجہ کے تموگنی ہیں۔ بہر حال بقول دیانند صاحب اور منوجی کے شودروں سے شراب نوش اور زنا کار افضل ہے۔ تو جس صورت میں ایک شودر افضل درجہ کا تموگنی ہی نہیں ہو سکتا۔ فرمائیے وہ برہمن اور چھتری ہو کر جہاتا کیسے بن سکتا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے۔

ب اور ج دو شخص ہیں۔ دونوں سے یکساں قسم کا گناہ سرزد ہوا۔ دونو متوسط درجہ کے تموگنی ہونے کے باعث ب تو شودر کے جسم میں گیا۔ اور ج گھوڑا بن گیا۔ اب گناہ دونوں نے یکساں کئے ہیں۔ تو اب ظاہر ہے۔ کہ شودر یا گھوڑا جنم سے ہے کرم سے نہیں۔ اگر ایک گھوڑا کام نہ دے۔ اور لیٹا رہے بہر حال وہ گھوڑا ہے۔ اگر ایک گھوڑی دودھ دے۔ بہر حال وہ گھوڑی ہے۔ اگر ایک گھوڑا ہل میں جوتا جاوے۔ بہر حال وہ گھوڑا ہے۔ جب کسی گھوڑی کے دودھ دینے پر اور گھوڑے کو ہل جوتنے پر ہم بھینس یا بیل نہیں کہہ سکتے۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ ایک انسان کو جسے بقول سوامی دیانند اور منوجی تموگنی ہونے کے باعث شودر تا میں ڈالا گیا ہے ہم اُسے برہمن یا چھتری کہنے لگ پڑیں۔

پھر آگے چلکر سوامی جی کہتے ہیں۔

چارنشچ۔ سپز نشچ۔ پرشا ٹچیو۔ ذا مبھکا
رکھیا نشچ۔ پشا چاتیچ۔ تامسی۔ وشو تاگیتُو

ترجمہ۔ جو افضل تموگنی ہیں۔ وہ مداح خواں اور جوگیت اور دوہا وغیرہ بنا کر لوگوں کی تعریف کرتے ہیں۔ خوبصورت پرند ریاکار آدمی یعنے اپنے سکھ کے لئے خودستائی کرنیوالا راکشش یعنی موذی اور پشاچ یعنی بدچلن لوگ ہوتے ہیں۔ جو شراب وغیرہ کی عادت اختیار کرتے ہیں۔ اور غلیظ رہتے ہیں۔ یہ افضل تموگنی اعمال کا نتیجہ ہے۔

(منو ۱۲ و ۴۴)

اب غور کرو کہ اسجگہ ریاکار آدمی اور خوبصورت پرند کے جنم کو افضل درجہ کے تموگنی ہونے کے لحاظ سے تسلیم کیا گیا ہے۔ یعنے فرض کرو کہ الف اور ب دو اشخاص ہیں۔

دونوں اپنے اعمال کے لحاظ سے تموگنی ہیں۔ اور دوسرے جنم میں جاکر الف تموگنی تو ریاکار شودر بن جاتا ہے۔ اور با تموگنی دوسرے جنم میں جاکر خوبصورت پرندہ ہو جاتا ہے۔ اب اگر شدھی کو تسلیم کرلیا جائے۔ اور ایک ریاکار شودر کو کھشتری میں شامل کیا جائے۔ تو پھر چاہیئے تھا۔ کہ ایک خوبصورت پرند کی شدھی کر کے بھی اسے انسانی قالب میں داخل کرلیا جاتا۔ مگر جس صورت میں ایک پرند انسان نہیں بنایا جاسکتا۔ ٹھیک اسیطرح ایک شودر بھی کھشتری نہیں ہوسکتا۔ ہاں اگر آریہ صاحبان اپنی شدھی کے منتر سے ایک پرند کو انسان بنا دیں۔ یا کم از کم کوّے کو راج ہنس میں تبدیل کردیں۔ تو پھر تو ہمیں ماننا ہی پڑے گا۔ کہ جو شدھی کا منتر ایک تموگنی خوبصورت کوّے کو راج ہنس میں تبدیل کرسکتا ہے۔ ٹھیک وہ شدھی کا منتر ایک ریاکار شودر کو بھی کھشتری ورن میں داخل کرسکتا ہے۔ اور جب یہ صورت نہیں۔ تو پھر یہ ماننا ہی پڑے گا۔ کہ تحریک اشدھی کوئی مذہبی تحریک نہیں۔ بلکہ یہ حال کی ایک اختراع ہے۔ جو صریح مسلمانوں کی ریس ہے۔ جو منوجی مہاراج کے ان ضوابط کو تسلیم نہیں کرتے۔

اگر آج ہندوستان میں اسلام داخل نہ ہوتا۔ تو بھائی بھائی سے جُدا ہوتا۔ جتنے گھر کے آدمی اتنے ہی چولھے ہوتے۔ اور سب جھاڑو کے سینکوں کی طرح بکھرے ہوتے۔ جیسا کہ ایک یونانی سیاح لکھتا ہے۔ کہ پُرانے زمانہ میں ہندوستان ۱۱۸ ریاستوں پر منقسم تھا۔ اور ایک راجہ دوسرے کا دشمن تھا۔ اور علاوہ ازیں قدیم ہندوستان کی تہذیب کے مصنف پنڈت میش چندر دت صاحب اپنی اس مشہور کتاب کے باب ۳ میں لکھتے ہیں۔ کہ

"وہ زمانہ ایک شودر رشر کا تھا" اور خصوصاً شودر کی حالت تو باوجود انسان ہوکر حیوانوں سے بھی بدتر تھی۔ یہ اسلام کی ہی برکت ہے۔ کہ آج ہندوستان میں باہمی ایک جتھہ بندی کی صورت نظر آرہی ہے۔ اور کم از کم شودروں کو بھی انسان سمجھا جارہا ہے۔ پروفیسر بابو ایشری پرشاد صاحب نے "تاریخ ہند و قرون وسطیٰ" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ جس میں آپ فرماتے ہیں۔

اسلامی فتوحات نے مختلف ریاستوں اور سلطنتوں کی بجائے جو ہمیشہ باہم دست و گریبان رہتی تھیں ایک شہنشاہی اتحاد قائم کر دیا۔ اور لوگوں کو یہ سکھلایا کہ باہم وہ ایک ایک کے اندر ایک واحد حکمران کا اتباع کریں۔ اس لیے ہماری قومیت کے ذخیرہ میں روح اور سرگرمی کے اجزاء کا اضافہ کیا۔ اور ایک ایسی نئی تہذیب کا رواج دیا۔ جو ہر طرح سے مستحق ستایش ہے۔ مسلمانوں کی رسومات و عادات نے اونچی ذات کے ہندوؤں کی رسومات و عادات کو بہت کچھ اُبھارا۔ اور جو لطافت و نزاکت کہ ہماری موجودہ سوسائٹی میں پائی جاتی ہے۔ وہ زیادہ تر مسلمانوں کے طفیل ہے۔ مسلمانوں نے ملک کے اندر ایک نئی زبان رائج کی۔ جو اپنے اندر ایک حیرت انگیز ذخیرہ ادبی رکھتی ہے۔ اُنھوں نے شاندار اور خوبصورت عمارت تعمیر کرا کے ہندوستان کے فن تعمیر میں ایک انقلاب پیدا کر دیا ہے۔"

اب صاف ظاہر ہے۔ کہ اگر مسلمانوں کا ورود مسعود ہندوستان میں نہ ہوتا تو ہندو اقوام کے انتشار کی کوئی حد نہ رہتی۔ شودروں کی درگت کا نظارہ احاطۂ قیاس سے باہر ہے۔ آج جو کچھ ہندوستان میں قومیت کی روح نظر آ رہی ہے اور شودروں پر بھی نظر شفقت کا پرتو پڑ رہا ہے۔ یہ سب کچھ اسلام کے طفیل ہے لہٰذا ہم سب کو اللہ کے حضور میں دعا کرنی چاہیئے۔ کہ خدا ایسے پاک مذہب کی دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرے۔ جس نے ان انسانوں کو جنہیں لوگ حیوانوں سے بھی بدتر سمجھتے تھے۔ دوبارہ انسانیت کا درجہ عطا کیا۔

یہ دیکھنے کے لئے کہ اعلےٰ ذات کے ہندو کہلانے والوں نے ادنےٰ ذات کے لوگوں سے کیا سلوک روا رکھا۔ اس کے لئے اچھوت ہندوؤں کی کانفرنس جو حال ہی میں منعقد ہوئی اس کے صدر کا خطبہ ملاحظہ کیجئے۔

اچھوت ہندوؤں کی کانفرنس

۲۳ فروری ۱۹۳۴ء کو اچھوت ہندوؤں کی الہ آباد میں ایک کانفرنس ہوئی تھی۔

اس کے صدر نے ایک مختصر سے خطبہ میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے۔ وہ اس قابل ہیں کہ اعلےٰ ذاتوں کے ہندوؤں کے علاوہ مسلمان بھی اس سے سبق لیں۔

صدر صاحب بابو رام چرن بی۔اے۔ایل ایل بی۔ایم۔ایل سی۔اپنا تعارف اسطرح کراتے ہیں۔

"ہمارا لٹریچر تباہ کر دیا گیا۔اس لئے میں مخالفوں کے لٹریچر سے بتاتا ہوں کہ ہم کون ہیں۔اور کس طرح اس تباہ حالی کو پہنچے ہیں۔

رگوید کے بھجنوں میں دو دشمن قوموں کا ذکر آتا ہے۔جن میں سے اول آریہ اور دوسرے "داسویا" تھے۔آریہ کے لفظی معنے نیک کے ہیں۔اور داسویا کے چور لٹیرے اور بدمعاش۔اب سوال پیدا ہوتا ہے۔کہ چور لٹیرے اور بدمعاشوں کی قوم کونسی تھی؟ ایک قوم کا کلیتہً نیک ہونا اور دوسری کا کلیتہً چور اور بدمعاش ہونا بڑا تعجب انگیز نظر آئیگا۔لیکن آپ کا تعجب معاً دور ہو جائیگا۔جب آپ یہ جان لیں گے کہ اپنے آپ کو نیک کہنے والے لوگ آریہ باہر سے آئے تھے۔انہوں نے یہاں کے قدیم باشندوں سے جنگ کی۔اور نفرت و حقارت کے ساتھ انہیں رگوید میں "داسویا" یا "داسا" کا نام دے دیا۔

کہا جاتا ہے۔کہ رگوید رشیوں کے ذریعہ خدا کی طرف سے نازل ہؤا تھا۔ لیکن یہ سب سیاسی چالیں تھیں۔خواہ انہیں کتنا ہی مذہبی رنگ دیا جائے۔ یہ قدیم باشندے اگرچہ بڑے طاقتور تھے۔لیکن ساتھ ہی سادہ مزاج بھی تھے۔ آریوں نے انہیں فتح کر کے غلام بنالیا۔

اچھوت اودھار کی تحریک کا مقصد

فاضل صدر صاحب "اچھوت اودھار" کی تحریک کے متعلق فرماتے ہیں:-

۱۹۱۹ء میں اصلاحات دی گئیں اور جدید کونسلیں بنیں۔ہندوستانیوں کو بہت سے بڑے بڑے عہدے ملے اور آبادیوں کی بناء پر اقوام کو حق نمائندگی عطا کیا گیا

جو قومیں تعداد میں زیادہ تھیں انہیں زیادہ نمائندگی ملی۔ اور جو کم تھیں انہیں کم نمائندگی ملی۔ تقسیم حقوق کی یہ صورت اونچی ذاتوں کے ہندوؤں کے لئے ایک تنبیہ تھی۔ انہوں نے اچھوتوں کی کانفرنس اور سبھائیں بنائیں۔ اور اچھوت ادھار کی آواز بلند کر دی۔"

بالفاظ دیگر "اچھوت ادھار" کا مقصد محض یہ ہے۔ کہ اعلےٰ ذات کے ہندو اچھوت ذاتوں کی اکثریت سے فائدہ اُٹھا کر حکومت کے بڑے بڑے عہدوں اور ملکی حقوق کو خود غصب کر لیں۔

کیا منو کا دھرم شاستر منسوخ ہو چکا ہے؟

لیکن فاضل صدر اپنے خطبے میں اچھوت ذاتوں کو تنبیہ کرتے ہیں۔

"یاد رکھو ہندوؤں کے اس اظہار ہمدردی کی تہ میں بھی وہی مقاصد کار فرما ہیں جن کی بنا پر یہاں کے قدیم باشندے غلام بنائے گئے تھے۔ سیاسی حکمت عملی ہی غلامی کا موجب بنی تھی۔ اب اسی حکمت عملی کی بنا پر اچھوتوں کو ساتھ ملانے کا شور بلند کیا جاتا ہے۔ میں ان ہمدردوں سے پوچھتا ہوں۔ کہ کیا منو کا دہرم شاستر منسوخ ہو چکا ہے؟ اس میں لکھا ہے۔ کہ "شودر خواہ خریدا ہؤا غلام ہو یا نہ ہو مگر اس سے غلام کا کام لینا چاہیئے۔ اسلئے کہ برہما نے شودر کو پیدا ہی برہمن کی خدمت کے لئے کیا ہے۔" اگر شودر کو اسکا آقا آزاد بھی کر دے۔ تو اس حالت میں بھی وہ غلامی سے نجات نہیں پاتا۔ کیونکہ غلامی اس کی فطرت میں داخل کر دی گئی ہے۔ اور فطری پابندی سے اُسے کون آزادی دلا سکتا ہے۔" "برہمن شودر کے مال و اسباب پر بلا تامل قابض ہو سکتا ہے۔ کیونکہ شودر کی کوئی چیز بھی اس کی ملکیت نہیں اس کی جائداد اسکا مالک ہر وقت لے سکتا ہے۔"

اچھوت قوموں کو ہوشیار رہنا چاہیئے

آگے چلکر آپ فرماتے ہیں۔

"کیا تم (اچھوت قومیں) ان شاطرانہ چالوں کے فریب میں آجاؤ گے؟ میرا خیال ہے۔ کہ کبھی نہیں۔ وہ وقت گذر گیا۔ جب ہمارے معمولی مطالبات بھی گناہ سمجھے جاتے تھے۔ برطانوی حکومت کی انصاف پسندی نے ہمیں کسی حد تک آزاد کیا۔ اب ہم ہندوؤں سے یہ کہنے کے حقدار ہیں۔ کہ تمہارے آباؤ اجداد نے ہمارے ملک پر قبضہ جمایا ہمیں غلام بنالیا۔ اور ہمارا تمدن تباہ کردیا۔ تمہارے دلوں میں ہمارے متعلق اچھا خیال کیونکر پیدا ہو سکتا ہے۔ سادہ لوح آدی ہندو بھائیو! ۲۲ کروڑ ہندوؤں کے نام پر جو حقوق لئے جاتے ہیں۔ ان میں تمہارا کوئی حصہ نہیں۔ تمہاری آبادی پندرہ کروڑ ہے۔ اونچی ذاتوں کے ہندو جو آج تمہارے ہمدرد بنے بیٹھے ہیں۔ ڈر رہے ہیں۔ کہ تم جو برطانی حکومت کی عام انصاف پسندی میں حاصل کی ہوئی تعلیم کے باعث طلسم فریب سے آزاد ہو چکے ہو۔ کہیں سکھوں اور مسلمانوں کی طرح سیاسی مجالس میں جداگانہ نیابت لیکر اعلےٰ عہدوں پر نہ پہنچ جاؤ۔ اونچی ذات کے ہندو اس صورت حالات کو کیونکر برداشت کر سکتے ہیں؟ سب سے پہلے نظم ونسق ملک میں ان کا تناسب ایک تہائی رہجاتا ہے۔ دوسرے جن لوگوں کو انہوں نے پانچہزار سال تک غلام بنائے رکھا۔ ان کی آزادی کا راستہ کھل جاتا ہے۔ کیا تمہارے کانوں میں بار بار یہ آواز نہیں پہنچ رہی۔ کہ "اگر کہاروں نے تعلیم حاصل کرلی تو ہمارے برتن کون دھوئیگا۔ اگر چمار زیور علم سے آراستہ ہوگئے تو ہمارے لئے عمدہ بوٹ کون بنائیگا۔ اگر بھنگی پڑھ لکھ گئے۔ تو ہمارے پاخانے کون صاف کریگا؟"

کیسی صاف اور سچی سچی باتیں ہیں۔ وہ ہندو جو مسلمانوں کو قلت تعداد کے باعث دبانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ خود کتنے رہ جاتے ہیں؟ صرف سات کروڑ جو مسلمانوں کے مساوی ہیں۔ ستیہ دیو جی اور اسی قماش کے دوسرے ہندو لیڈروں کو جو مسلمانوں کو ملک بدر کرنے کی دھمکیاں دیا کرتے ہیں۔ اگر خود ہندوستان

کے واحد مالک ہونے کے دعویدار ہیں۔" اچھوت کانفرنس کے خیالات پر خاصکر غور کرنا چاہیئے۔ کہیں مسلمانوں کو ہندوستان سے نکالتے خود ہی بوریہ بستر اُٹھانے پر مجبور نہ ہو جائیں۔

ہندوؤں کے اچھوتوں پر مظالم،

صدر صاحب نے یہ بیان کرنے کے بعد کہ آریوں نے اصلی باشندوں (اچھوتوں) کے تمدن و تہذیب کو کس بیدردی سے تباہ کیا۔ اُنکے لٹریچر کو کس طرح نیست و نابود کیا۔ اُنہیں ذلیل کرنے کے لئے کیسے کیسے قوانین بنائے گئے۔ اور اُنکی آج بھی کیسی کیسی مثالیں جنوبی ہند میں ملتی ہیں۔ لکھتے ہیں۔

" آج برطانوی ہند میں آریہ اچھوتوں کی آزادی کے حامی بنے بیٹھے ہیں۔ لیکن خود آریہ (ہندو) ریاستوں میں اچھوتوں پر ایسی سختیاں ہو رہی ہیں۔ جنکو انسانیت سے عار ہے۔ ہندوؤں کا مقصد محض یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ کسی نہ کسی طرح اچھوتوں کو اپنی غلامی میں رکھیں۔ اور اُنکی کثرت تعداد سے فائدہ اُٹھا کر حقوق لیں۔ اور خود مزے کریں۔ کیا وہ ایک ہی ایسی مثال پیش کر سکتے ہیں۔ کہ اُنہوں نے مقامی مجالس یا کونسلوں کے کسی قابل اچھوت امیدوار کے حق میں رائیں دی ہوں۔ اگر کوئی ایسی مثال ہے۔ تو پیش کریں۔ اسکے خلاف ہمیں ایسی مثالیں ملتی ہیں۔ کہ کسی اچھوت نے انتخاب میں امیدوار بننے کی جرأت کی۔ تو ہندوؤں نے اُسے نفرت سے شکست دیدی۔ مثلاً مسٹر ڈی سوین چرمکار کانپور سے امیدوار کھڑے ہوئے تھے۔ محض اس جرم کی بنا پر ناکام رہے۔ کہ وہ نام نہاد اچھوت شودر تھے۔"

ہندو اخبارات اور لیڈر جو رات دن مسلمانوں کو ہندو تہذیب کے اختیار کرنے کی تلقین کیا کرتے ہیں۔ انہیں اس خطبہ کو پڑھ کر اپنے گریبان میں منہ ڈال لینا چاہیئے۔ جو قوم دوسروں کی تہذیب کو زبردستی ایسا نیست و نابود کردے۔ کہ اسکا نام و نشان تک ہندوستان میں نہ رہنے دے۔ وہ بھی

تہذیب پر کہاں تک فخر کر سکتی ہے۔ اور اپنا مکان شیشے کا بنا کر دوسروں پر پتھر پھینکنا اوسے کہاں تک زیبا ہے۔

عورتیں اور ویدک دہرم

یہ مضمون ۱۷ اکتوبر سنہ ۱۹۲۴ع کے نوربیں از قلم جناب لالہ بھگت رام صاحب سکرٹری جیودیا سبھا فیروزپور چھاونی شائع ہو چکا ہے۔ اور اگر میری یاد غلطی نہیں کرتی تو انہیں دنوں ؛ ور بہی کئی ایک اخباروں میں یہ مضمون شائع ہوُا تھا۔ اس لئے کہ یہ مضمون ایک بے تعصب ہندو کی قلم سے ہونے کی وجہ سے زیادہ وزن رکھتا ہے لہٰذا ہم اس مضمون کو اپنے کسی حاشیہ کے بغیر بجنسہ درج ذیل کرتے ہیں۔

"ویدک دہرم کی روسے کوئی ہندو خاوند اپنی بیوی کو کسی قسم کی ناراضگی پر جب چاہے گھر سے باہر نکال ہی سکتا ہے۔ مگر اس بیوی کی گود میں کوئی شیر خوار چھوٹا بچہ ہو تو وہ اس معصوم بچے کو اس کی والدہ کی قدرتی اور لازمی حفاظت سے ہی محروم کر سکتا ہے۔ اور یہ ننھے بچے اور معصوم اولاد پر الٰہی سخت ظلم ہے۔ کہ جس کی تلافی دنیا کی کوئی چیز نہیں کر سکتی۔ کیونکہ والدہ کی گود ننھے بچے کے لئے دو جہان کی سلطنت سے بھی قیمتی ہے۔ اور اس کے بالمقابل دین اسلام میں اگر کوئی شخص اپنی عورت کو طلاق بھی دے۔ تو وہ ایسے بچے کو اس کی والدہ کی قدرتی نگرانی سے محروم نہیں کر سکتا۔ بلکہ سات برس تک لڑکا اور چودہ برس تک لڑکی اپنی والدہ کے ساتھ رہ سکتی ہے۔ ویدک دہرم کا فلسفہ ہی نرالا ہے۔ لیکن خوش قسمتی اتنی ہے۔ کہ مہربان گورنمنٹ نے اس عجیب ویدک دہرم کے اس فتوے کو ضروری نہیں سمجھا۔ بلکہ معصوم بچے کی سب سے زیادہ بہتری اور بھلائی کے مطابق ہی عمل کرنا واجب اور ضروری سمجھا ہے۔

(۲) ویدک شاستروں کے اندر جب کسی نے اولاد کی خواہش کی ہے۔ تو صرف لڑکوں کے لئے ہی کی ہے۔ لڑکوں کی پیدائش کی خاطر تو شاستروں نے طرح طرح

کے اوپاؤ اور یگ بتا دیئے۔ اور صاف طور پر یہ بھی ارشاد فرما دیا کہ بغیر لڑکوں کے مکتی (نجات) نہیں۔ مگر۔ بیچاری لڑکیوں کے لئے پرارتھنا اور یگ کرنا تو درکنار۔ بلکہ انکے واجب انسانی حقوق کو بھی نظر انداز ہی کیا گیا ہے۔ ویدک دہرم نے ہندو گھر میں لڑکے کا ہونا مکتی یعنی نجات کا ہی ایک ذریعہ قرار دے دیا ہے۔ اور اس طرح پر بھی۔ بیچاری لڑکیوں کی طرف سخت نفرت کو بڑہا دیا ہے۔ علاوہ ازیں لڑکا تو (اخلاق کے بگاڑنے والے) مسئلہ نیوگ سے بھی حاصل کرنے کرانے کی ہدایت بتلا دی ہے۔ برعکس اس کے جس عورت کے لڑکیاں ہی لڑکیاں پیدا ہوں۔ اس بیچاری کو گھر سے علیحدہ کر دینے کا حکم دیا ہے۔ (دیکھئے ستیارتھ پرکاش سملاس چوتھا مصنفہ سوامی دیانند سرسوتی) اور ان ہی وجوہات سے ہندوؤں میں جب کسی کے حق میں دعا بھی کرتے ہیں۔ تو عموماً یہی کہتے ہیں۔ کہ "ایشور تم کو بیٹا دیوے"! دیکھئے اسی ویدک دہرم نے بیچاری معصوم لڑکیوں پر کیسے کیسے ستم روا رکھے ہیں۔

(۳) ویدک دہرم کی رو سے لڑکوں کی بھلائی کے لئے ہندو گھروں میں بہت سے خوشی کے سنسکار منائے جاتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ بیچاری لڑکیوں کے لئے ہندو گھروں میں کوئی خوشی کا سنسکار نہیں ہے۔ لوہڑی وغیرہ کئی تہواروں میں لڑکوں کے پیدا ہونے۔ منگنے اور بیاہنے کی خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ اور لڑکیوں کی پیدائش پر اکثر ہندو گھروں میں ماتم چھا جاتا ہے۔ نہ معلوم ویدک دہرم کی عظمت کونسی بات میں سمجھی جاتی ہے؟

ہزاروں لاکھوں برسوں تک ہندوؤں اور آریوں میں دختر کشی کا رواج جاری رہا۔ اور اب تک بھی اس ظالمانہ رواج کا کچھ نہ کچھ بقایا پوشیدہ طور پر موجود ہے۔ سوامی دیانند جیسے رشی منی بھی بہتیرے ہوئے۔ مگر کسی نے بھی ویدک دھرم کی طرف سے بیچاری لڑکیوں کے برخلاف سخت نفرت کو دور کرنے کرانے کی پرواہ نہیں کی۔ اور خود سوامی جی نے بھی لڑکیوں کی طرف سے لاپرواہی اور بے توجگی ہی دکھلائی ہے۔ اسطرح پر وید آدی شاستروں اور آریہ سادہو سنیاسیوں کی طرف سے

ننھے بچوں کے ساتھ یہ سلوک ایشور کے آگے کبھی بھی منظور نہیں ہو سکتا۔ اور خواہ کتنی ہی لمبی لمبی سندھیائیں اور پرارتھنائیں کی جائیں ایسی ایسی سختیوں کے مقابلہ میں یہ کچھ بھی اثر نہیں رکھتیں۔ نہ معلوم ہندو پبلک اپنے معصوم بچوں کے اوپر سے ایسی ایسی بے اعتدالیوں کو دُور کرنے کرانے کے لئے اپنی سچی آواز کب اُٹھائیگی؟

اب اس ویدک دھرم نے کمزور عورتوں پر جو جو بے انصافیاں روا رکھی ہیں۔ آپ ان پر بھی ذرا غور کیجئے۔

ویدوں کے اندر بیٹوں۔ پوتوں اور پڑپوتوں کے لئے تو تقسیم وراثت کا طریقہ درج ہے۔ مگر ان ویدوں کے اندر بیچاری لڑکیوں اور عورتوں کے حقوق کو بالکل ہی فراموش کیا گیا ہے۔ (یہی وجہ ہے کہ اہل اسلام میں تو ہمیں مسلمان سطانہ۔ اور حکمران کی مثالیں ملتی ہیں۔ مگر ویدک دھرم جس میں عورت کو سلطنت یا رواج پاٹ بطور ورثہ کے پہنچا ہو کوئی مثال پیش نہیں کر سکتا) (اگر یہ وید واقعی ایشور کرت ہیں۔ تو یہ سخت غلطی ایشور کے نام پر عائد ہوتی ہے۔ اور اگر کسی ہوشیار چالاک انسان کے بنائے ہوئے ہیں۔ تو ایسی ایسی غلطیوں کا ہونا کچھ بھی تعجب نہیں ہے۔ مگر کمزور مستورات کی حق تلفی کرنا یہ سخت ظلم اور گناہ ہے۔

آہ کیسا غضب ہے! ویدک دھرم نے ہندو عورتوں کے واجب حقوق نہ تو انکے والدین کے ہاں ہی رکھے ہیں۔ اور نہ ہی سسرال والوں کے ہاں رکھے ہیں۔ ویسے کہنے کو تو عورت کو کبھی اردھنگنی کبھی لکشمی اور کبھی دیوی کے نام سے تو پکار دیا جاتا ہے۔ مگر افسوس ہے۔ کہ اردھنگنی کہلانے والی عورت کا اختیار ایک پیسے کا بھی نہیں ہے۔ اتفاق سے اگر کسی بیوہ کو کچھ وراثت ملتی بھی ہے۔ تو اس پر بھی اسکو پورا اختیار نہیں دیا جاتا۔ اور ٹھیک یہی کہاوت اس پر صادق آتی ہے۔ کہ "سب گھر بار تمہارا مگر کوٹھی کو ہاتھ مت لگانا" معلوم ہوتا ہے۔ کہ ویدک دھرم کی عظمت اور فضیلت اس میں ہے۔ کہ انکی حق تلفی کرنے اور انکو دبائے رکھنے میں کوئی دوسرا مذہب ویدک دھرم کی برابری نہ کر سکے۔

بہت قدیم عرصے سے ہی ویدادی شاستروں اور بڑے بڑے رشی منیوں نے بیچاری مستورات پر سخت سے سخت بے انصافیوں کو روا رکھا ہے۔ منو مہاراج اپنی منوسمرتی (ادھیائے ۹ شلوک ۲-۳-۱۸) میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ

"عورت مرد کے بالمقابل ہمیشہ چھوٹے درجے کی ہی ہے۔ وہ ایسی بد ہوتی ہے۔ جیساکہ جھوٹ۔ یہ اصول بالکل مقرر ہی ہے"

مضمون تاکہ لمبا نہ ہو منو مہاراج کا یہ ایک ہی بچن بطور نمونہ کافی ہے۔ کیا مردوں کی ایسی بے جا رعائتیں قائم کرنے سے ہی اس کو بھگوان منو کے نام سے پکارا جاتا ہے؟

اور سوامی دیانند جی اپنی ستیارتھ پرکاش کے چوتھے سملاس میں لکھتے ہیں کہ تعلیم حاصل کر چکنے کے بعد جب لڑکا گھر کو آئے تو اُسے ایسی عورت کے ساتھ بیاہ کرنا چاہیئے کہ

"ہنس اور ہتھنی کے تلیہ جس کی چال ہو۔ کہ سُوکشم لوم کیس اور دانت یکت ہو اور جس کے سب انگ کومل ہوں"

حق پسند احباب ذرا غور فرمائیں۔ سوامی دیانند جیسے سنیاسی کی طرف سے اس قسم کی ایک طرفہ اور بیجا ہدائتیں دی جانا بیچاری سیدھی سادی نیک مستورات پر زیادتی نہیں تو اور کیا ہے۔ کیا آگے ویدک دہرم کی طرف سے استری جاتی پر سختیوں کی کچھ کمی رہ گئی تھی۔ جو سوامی جی مہاراج کو اپنی ستیارتھ پرکاش میں بھی ایسی بے انصافیوں کو درج کرنا پڑا؟

جس رامائن کا پڑھنا پڑھانا اور سننا سنانا ایک بڑا مہا نم یعنی کار ثواب سمجھا جاتا ہے۔ دیکھئے اس میں غریب جاتیوں اور عورتوں کے متعلق کیا لکھا ہے۔

"ڈھول۔ گنوار۔ شودر۔ پشو۔ ناری۔ یہ سب تاڑن کے ادھیکاری"

(سندر کانڈ نمبر ۵)

کیا ایسی ایسی دہرم پستکوں کے اندر غریب شودروں اور مستورات کو تاڑنے (یعنی مارنے پیٹنے اور دھمکانے) کی ہدائتیں درج کرنا دنیا میں کمزوروں پر ظلم کی زور بڑھانے کے برابر نہیں ہے؟ کیا ویدک دہرم کے اندر مرد سب ہی دیوتا سروپ ہوسکتے ہیں۔ اور

یہ کیسے سمجھ لیا جائے کہ شودر لوگ اور استریاں ہمیشہ ہی بے سمجھ اور مورکھ ہوتی ہیں۔
ویدک بواہ کے جتنے بھی نیم یا اصول ہیں۔ اکثر بے انصافی اور پکشپات پر مبنی ہیں۔ پرشوں کے ادھیکار (یعنے اختیارات) بے حد دے رکھے ہیں۔ اور انکے لئے کسی بھی قاعدے کی پابندی کرنا ضروری نہیں ٹھیرایا (ان کے لئے سب باتیں جائز ہو جاتی ہیں۔ یہی معلوم پڑتا ہے۔ کہ ویدک دہرم کا اصلی مدعا مردوں کو ہی خوش رکھنا ہے۔ نہ کہ دنیا کے اندر عدل و انصاف کو پھیلانا۔
ویدک دہرم کے اندر عورتوں کو وراثت کا ملنا تو دور رہا۔ اگر کوئی عورت اپنی محنت مزدوری سے کچھ روپیہ پیسہ بھی کمائے تو اس نقدی پر بھی عورت کا اختیار نہیں ہے۔ (دیکھئے منوسمرتی ادھیا ۸ شلوک ۴۱۶) اور تو اور عورت بیچاری کو تو اپنی جان کی رکھشا کا بھی پورا اختیار نہیں دیا۔ اتفاق سے خاوند نیک مل گیا زندگی اچھی کٹ گئی۔ بد قسمتی سے اگر ظالم خاوند سے واسطہ پڑ گیا تو یہ مثل
"نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن"
بیچاری کی ساری عمر ہی برباد اور خوار ہو جاتی ہے۔ نہ ہی وہ ایسے ظالم مرد سے چھٹکارا حاصل کر سکتی ہے۔ اور نہ ہی ہندو سوسائٹی کے اندر کسی کو اپنے دکھوں کی داستان سنا سکتی ہے۔ آریہ اخبارات اور آریہ لیڈر باہر کی دنیا کے آگے اکثر فخر سے یہ کہا کرتے ہیں۔ کہ ویدک بواہوں میں عورتوں کے جھگڑے نہیں اُٹھتے۔ جھگڑے اُٹھیں کیسے؟ جبکہ جابرانہ رسم و رواج نے بیچاری ہندو عورتوں کے لئے شکایت کی گنجائش ہی نہ چھوڑی ہو۔
ناظرین غور فرمائیں۔ ویدک دہرم نے مستورات کے جھگڑے بند کرانے کا کیسا ہی عمدہ ڈھنگ بتایا ہے۔ زبردست مارے اور رونے بھی نہ دے کیا خوب طریقہ ہے!
اور دیکھئے آجکل کے آریہ پُرش کس طرح ویدک دہرم کی ان سب خرابیوں کو دبائے اور چھپائے چلے جا رہے ہیں۔ اور عوام الناس کو مغالطہ میں ڈال رہے ہیں۔

کیا ان ہی بے انصافیوں کا نام اٹوٹ سمبندھ نہیں ہے؟

ہندوستان میں ستی کی ظالمانہ رسم مدتوں تک زور و شور کے ساتھ جاری رہی آ سوامی دیانند سرسوتی جیسے بہتیرے مہاں پرش ہوئے۔ مگر افسوس ہے کہ کسی نے بھی اس ظلم کے برخلاف اپنی زبردست آواز کو نہ اٹھایا۔ اکثر برادری کے بے رحم لوگ بیچاری جیتی جاگتی ہندو عورتوں کو ان کے خاوندوں کی مُردہ لاشوں کے ساتھ ہی جل جانے کے لئے مجبور کرتے رہے۔ مگر آریہ پرشوں اور منیوں کے دلوں میں کبھی ترس نہ آیا۔ اور باوجود ایسی صریح بے انصافیوں کے ویدک دہرم کی فضیلت کے ہی راگ گاتے رہے اور ان ویدوں کی حکم عدولی کرنے والے کو وطن سے بے وطن کر دینے کی دھمکی دیتے رہے۔

دیکھئے اس ویدک دہرم کی اوٹ میں معصوم بچوں اور عورتوں کے ساتھ کیسے کیسے سلوک ہوتے رہے ہیں۔ اور یہ ہی ایک بڑا باعث معلوم ہوتا ہے۔ جو آریہ لوگ اپنے قدیم اور تاریک حالات کو کسی تواریخ کی صورت میں خود قلمبند نہیں کر سکے۔ اور ویدک دہرم کی ان ہی کمزوریوں کی وجہ سے آجکل کی آریہ سماجیں استری جاتی اُدہار کے متعلق نہ کوئی کتاب یا مضمون خود لکھتے ہیں۔ اور نہ ہی دوسروں کے سوالات کا تسلی بخش جواب دے سکتے ہیں۔ نہ معلوم آریہ پرش پبلک کو کب تلک تاریکی میں رکھے چلے جائیں گے؟

دنیا میں جو انسان کسی دھرم یا رسم و رواج کے نام پر ایسے ایسے بے انصافیوں کو دیکھے اخلاق اور انصاف تقاضا کرتا ہے۔ کہ وہ اپنی طرف سے صدائے حق کو ضرور بلند کرے۔ اور عدل و انصاف کو بڑھانے میں معاون ہو۔ درحقیقت ایسی ہی زندگی سرب شکتیمان اور سب کے مالک پرمیشور کے آگے منظور ہو سکتی ہے۔ اور اسی میں اپنے انسانی فرائض سے بھی سرخروئی ہے۔

اسلام اور عورت

برخلاف اس کے اسلام جو درجہ عورت کو دیتا ہے۔ وہ ذرا ملاحظہ کیجئے۔ اس کے ملاحظہ سے ہر ایک سعید الفطرت اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔ کہ اسلام نے عورت کو کیا درجہ دیا۔ اور آجکل جو کچھ عورتوں کے احترام کے لئے بیرونی دنیا سے صدا بلند ہو رہی ہے۔ یہ سب اسلام کے ہی طفیل ہے۔

مَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا (پ۵ نساء)

ترجمہ:۔ جو شخص نیک کام کرے مرد ہو یا عورت۔ حال یہ ہے۔ کہ مومن ہوں پس ایسے لوگ جنت میں داخل ہونگے۔ اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (پ۱۴ النحل)

ترجمہ:۔ جو شخص نیک کام کرے مرد ہو یا عورت ہم اُسے پاک ستھری زندگی عطاء کرینگے۔ اور انکے اچھے کاموں کے بدلہ میں اُنہیں اجر دیں گے۔

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا (پ۲۲ احزاب)

ترجمہ:۔ بے شک اسلام والے اور اسلام والیاں اور ایمان والے اور ایمان والیاں اور فرمانبرداری کرنے والے اور فرمانبرداری کرنے والیاں اور صدق والے اور صدق والیاں اور صبر والے اور صبر والیاں اور فروتنی کرنے والے اور فروتنی

کرنے والیاں اور تصدق کرنے والے اور تصدق کرنے والیاں اور روزہ رکھنے والے
اور روزہ رکھنے والیاں اور اپنی شرمگاہوں کی نگاہ رکھنے والے اور نگاہ رکھنے
والیاں اور اللہ کو بہت یاد کرنے والے اور بہت یاد کرنے والیاں۔ ایسے لوگوں کے لئے
اللہ نے مغفرت اور بڑا اجر تیار کیا ہے۔

اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنْتُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُونَ (پ ۲۵ زخرف)

توجہ:۔ داخل ہو جاؤ جنت میں اور تمہاری بیبیاں بڑی خوشی اور امن میں۔

جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ (پ ۱۳ رعد)

توجہ:۔ ہمیشہ اقامت کی جنتیں ان میں داخل ہونگے۔ اور انکے ساتھ اُن کے صالح باپ اور بیبیاں اور اولاد بھی۔

صرف ان آیات پر غور کرنا کافی ہے۔ کہ اسلام نے عورتوں کے حقوق کس طرح قائم کئے ہیں۔ اور ان کے اعمال اور اجر کو کیسے مساوی درجہ پر رکھا ہے۔ اس سے اندازہ لگاؤ کہ اسلام نے عورتوں پر کس قدر احسان کیا۔ مختصر یہ کہ اسلام کے قبل عورت کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ اسلام نے عورت کو وہ درجہ دیا کہ جس کو دیکھ کر دیگر مذاہب کو بھی طوعاً یا کرہاً عورت کی حیثیت کو تسلیم ہی کرنا پڑا۔ لہذا ہر رنگ میں اسلام نے عورت ذات پر جو لطف و کرم فرمایا وہ اپنی نظیر آپ ہی ہے۔

ان لوگوں کو غور کرنی چاہیئے۔ جو نادانی یا تعصب سے اعتراض کرتے ہیں۔ کہ اسلام نے عورتوں کی روح کے لئے بقا اور خلود نہیں مانا۔ افسوس ان پر اور ان کے اتباع پر۔ دانشمند غور کریں۔ اس مساوات حقوق اور نگاہداشت حقوق میں اور مقابلہ کریں۔ ان واجب ہدایتوں سے جو عورتوں کے متعلق آریوں کی مقدس کتابوں سے مذکور ہوئی ہیں۔

قوانین شادی اور اسلامی تہذیب

پھر ہندوؤں میں بیاہ شادی کے معاملہ میں اپنی قومیت سے کے علاوہ دوسری قوم میں شادی کرنا بدرجہ غایت معیوب سمجھا جاتا تھا۔ مگراب سکھوں اور آریوں میں یہ بات کم ہو رہی ہے۔ سوامی شردھانند صاحب آنجہانی نے باوجود کھشتری ہو کر اپنی اولاد کا اروڑوں میں رشتہ ناطہ کرنے میں کوئی جھجھک محسوس نہ کی۔ سکھوں میں تو کئی ایک مثالیں پائی جاتی ہیں۔ یہ سب اسلامی تہذیب کا ہی اثر ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو موجودہ ہندو ۹۰/۱۰۰ اسلامی تہذیب سے متفیض ہو رہے ہیں۔ مگر باوجود اس کے پھر انہیں اسلام کے لفظ سے وحشت ہے۔ خدا ہمارے دوستوں کو اسلامی تعلیم پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی توفیق دے اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ کہ

ــــ ــــ ــــ ــــ ــــ ــــ ــــ ــــ ــــ ــــ

اسلامی تہذیب سے متفیض ہو کر ہندوؤں کے بعض اصلاح یافتہ فرقوں میں ماموں اور خالو کی لڑکی حتیٰ کہ حقیقی چچا کی لڑکی سے ہی شادی کرنا اچھا سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ ساگری ضلع راولپنڈی اور پھر سرگودہا میں سکھ صاحبان کے ہاں ایسے رشتے ناطے ہوئے ہیں۔ اور غور کرنے پر اور بھی بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں۔ حالانکہ اس سے قبل ہندو ایسے رشتوں پر سخت اعتراض کیا کرتے تھے۔

لیکن آج خود زمانہ کے حالات سے مجبور ہو کر اسلام کے اس اصول کو ہی اپنے اندر رائج کرنے کی فکر میں ہیں۔ چنانچہ لالہ رام چند بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی ایڈوکیٹ لاہور اپنے لودہراں اور ملتان کے دورہ کا ذکر کرتے ہوئے اخبار اروڑ ونش سدھارک لاہور میں لکھتے ہیں۔

اس علاقہ میں اکثر مقامات میں یہ زبردست تحریک پیدا ہو رہی ہے۔ کہ نزدیکی رشتہ داری کی بندشوں کو توڑ دیا جائے۔ منٹگمری۔ جھنگ اور شاہ پور کے اضلاع اس پر بہت آمادہ ہیں۔ اور وہ پچیس پچیس میل کے ہاں شادیوں کا سلسلہ جاری کر کے اس روگ کو دور کرنا چاہتے ہیں۔ بلکہ کئی افراد تو اس قسم کے رشتے کر چکے ہیں"۔

لالہ جی نے ہندو لیڈروں اور عالموں سے اپیل کی ہے۔ کہ وہ اس جدید تحریک پر غور و خوض کریں۔ اور قوم کو کسی صحیح شاہراہ عمل کی ہدایت کریں۔

ہمارا خیال ہے کہ یہ نئی رو جو ہندوؤں میں چل پڑی ہے۔ اب دب نہ سکے گی۔ بلکہ روز بروز روبہ ترقی ہو گی۔ اس سے رشتہ داری کی بہت سی وہ مشکلات جو اس وقت ہندو قوم کے اندر پائی جاتی ہیں حل ہو جائیں گی۔

کیا یہ اسلام کے تہذیب و تمدن کی نمایاں فتح نہیں ہے۔ کہ آج سے کچھ عرصہ قبل اسلام کی جس خوبی پر یہ لوگ تمسخر اڑایا کرتے تھے۔ آج اسکے سامنے بخوشی اپنی گردنیں جھکا رہے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کونسی نمایاں کامیابی ہو سکتی ہے۔ کہ مخالف خود اپنے افعال سے اسلام کی خوبیوں پر مہر تصدیق لگا رہے ہیں۔

جُؤا اور قدیمی زمانہ

یہ تو ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔ کہ مہابھارت کے زمانہ میں جُوئے کا بہت رواج تھا۔ اور اسے چنداں عیب نہیں خیال کیا جاتا تھا۔ چنانچہ مہابھارت کی لڑائی کی روح رواں پارٹی پانڈو نے اپنا راج پاٹ سب - - - کچھ اس نامراد جوئے کے پانسے کے نذر کر دیا۔ اور خود وید مقدس میں بھی اس کی کوئی تردید نہیں پائی جاتی۔ بلکہ بعض بعض جگہ تائیدی رنگ ہے۔ سب سے اول جس کتاب نے اس منحوس اور اخلاق کش رسم جُوا کے برخلاف اپنی آواز بلند کی وہ قرآن پاک ہی کی مبارک آواز تھی۔ اور اس کے بعد دنیا نے اس مذموم رسم کے متعلق اپنی ذہنیت کو بدلا اور اب تو اس کی بُرائیاں اسقدر اظہر من الشمس ہو چکی ہیں کہ آجکل کوئی مہذب سوسائٹی اس رسم بد کو پسند نہیں

کرتی۔ مگر برعکس کی برکت صرف اسلام کی۔ اگر اسلام اس رسم بد کا استیصال نہ کرتا تو اس بدرسم کی وجہ سے قریباً ہمیشہ قماربازی کا منحوس نظارہ لوگوں کے سامنے قائم رہتا۔ یہ اسلام کے تمدن اور تہذیب کا ہی اثر ہے۔ کہ آج بہ حیثیت مجموعی وہ اقوام بھی اس بدرسم کے مخالف ہیں۔ جن کی مذہبی کتب یا مذہبی رسومات اس کے جواز کے قائل ہیں۔ کیا اسلام کے تمدن کا یہ ہندوستان پر کچھ کم اثر ہے۔ اس لئے ہم جس قدر بھی اسلام اور اسلام کے مقدس نبی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا شکریہ ادا کریں۔ کم ہے۔ کہو

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط

فن تعمیر اور ویدک زمانہ ویدک زمانہ فن تعمیر سے بالکل معرا تھا چنانچہ اس کے متعلق دی سویلزیشن آف انشنٹ انڈیا (قدیم ہندوستان کی تہذیب) کے فاضل مصنف پنڈت رمیش چندر دت صاحب باب ۳ میں لکھتے ہیں۔ کہ

یہ بات بھی مان لی گئی ہے۔ کہ رگوید میں کوئی مفصل اشارہ فن سنگ تراشی کے متعلق معقول طور پر بیان نہیں ہؤا متجسس آثار قدیمہ ہندوستان کے ہر حصہ میں تراشیدہ پتھر کے کھوجوں کی بابت بدھ مت سے بہت پہلے کا حال تحقیق کرنے سے ناکام رہے ہیں۔ برخلاف اسکے یورپ کے بڑے بڑے عجائب خانے مصر بابل یونان اور روم کی قدیم سنگی یادگاروں سے بھرے پڑے ہیں۔ مگر ہندوستان نے کوئی ایسی یادگار نہیں پیش کی۔" اور پھر جب اس کے ساتھ پروفیسر بالیوائیشوری

پرشاد صاحب کی "تاریخ ہند اور قرون وسطیٰ" کو ملا کر پڑھا جائے۔ تو معاملہ بالکل صاف ہو جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

"کہ مسلمانوں نے شاندار اور خوبصورت عمارات تعمیر کر کے ہندوستان کے فن تعمیرات میں ایک انقلاب پیدا کر دیا ہے"

یہ بات بالکل صاف ہے۔ کہ فن تعمیر کے متعلق مسلم تمدن نے جو ہندوستان کی تمدن پر اثر ڈالا اس نے بقول بابو ایشری پرشاد صاحب ہندوستان کے فن تعمیر میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ مشرقی طرز کی خوبصورت عمارتیں یا مندر وغیرہ جو ہندوستان میں نظر آتے ہیں۔ یہ سب مسلم تہذیب کے رہین منت ہیں۔ اگر ہندوستان میں اسلام کا مبارک قدم نہ آتا تو آج بھی ہندوستان ان مشرقی طرز کی خوبصورت اور دلفریب عمارتوں سے ایسا ہی خالی ہوتا۔ جیسا کہ آج سے چند صدیاں پیشتر تھا۔

کپڑا بُننا اور سینا فن تعمیر کی طرح یہ بات بھی مسلّم ہے۔ کہ ویدک زمانہ کے لوگ کپڑے کے بُننے اور سینے سے قطعی ناواقف تھے۔ خاصی مدت تک بھوج پتر اور مرگ چھالا (ہرن کا چمڑا) وغیرہ سے کام لیا گیا۔ چنانچہ اسوقت بھی بعض ہندو فقرا مرگ چھالا کا استعمال کرتے ہیں۔ اور ویدک منتر اور تاریخ بھی بہت حد تک ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ دی سویلیزیشن این شنٹ آف انڈیا (قدیم ہندوستان کی تہذیب) کے فاضل مصنف جناب پنڈت رومیش چندر دت صاحب سی۔ آئی۔ ای اپنی اس مشہور کتاب کے تیسرے باب میں ارقام فرماتے ہیں۔

ایک عجیب فقرہ میں (۶ × ۹ × ۲) کوئی خاص رشی مذہبی رسوم کی اس امر کی بنا پر ناواقفیت کے سبب بایں الفاظ اظہار تاسف کرتا ہے۔ کہ میں نہ تانا تننا جانتا ہوں۔ اور نہ بانا بننے سے آگاہ ہوں۔ ایک دوسری جگہ (۶ × ۲۶ × ۱۰) پارچہ بافی سفید پوش دیوتا کی طرف منسوب ہوئی ہے" اس سے دو نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ

کہ بڑے بڑے رشی اور منی بھی اس امر کے خواہشمند تھے کہ کاش ہمیں بھی تانے اور بانے کا ہنر یاد ہوتا۔ دوم پارچہ بافی کے ہنر کو ان کے ہاں ایسا خواب خیال سمجھا جاتا تھا کہ ان کے نزدیک یہ ہنر صرف دیوتاؤں کے لئے ہی تھا۔ جن کا وجود بادی النظر میں ایک وہم سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا تھا۔ گو یہ مذکورۃ الصدر اقتباسات بھی بہت حد تک اپنے موضوع پر کافی روشنی ڈالتے ہیں۔ مگر رائے بہادر چنتامنی ونائیک ویدایم۔ اے ایل ایل بی مہابھارت میمانسا (ہندی ترجمہ) میں جو کچھ ارشاد فرماتے ہیں۔ وہ ہمارے اس دعوے اور مضمون کے دوٹوک فیصلہ کرنے کے لئے ایک بہترین جج کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ اس وقت کے زمانہ پر روشنی ڈالتے ہیں جبکہ آریہ ورت کے باشندوں کو کپڑا بننے کی صنعت تو کسی حد تک آتی تھی مگر سینے کے ہنر سے ناواقف تھے۔ اور ہندوستان میں مسلمانوں کا ورود ہی اس سینے کے ہنر کو اپنے ساتھ لایا۔ جیساکہ رائے بہادر موصوف ایسا عالم فاضل مصنف اپنی مشہور کتاب مہابھارت میمانسا میں اس کے متعلق بدیں الفاظ تحریر فرماتا ہے۔

"مہابھارت کے زمانہ میں ہندوستانی آریہ مردوں کی پوشاک بالکل سادی تھی دو دھوتیاں ہی ان کی پوشاک تھیں۔ ایک دھوتی کمر کے نیچے پہن لی جاتی اور دوسری بدن پر جیسے چاہے جسطرح ڈال لی جاتی تھی۔ ہندوستان میں آریوں کی یہ پرانی پوشاک اب تک بعض علاقوں میں اور قدیم خیال کے ہندوؤں میں موجود ہے ....

یہ دھوتیاں اور کپڑا بنانا بہت سہل تھا۔ اس لئے ان کا رواج ہوگیا ہوگا کیا امیر اور کیا غریب سب کے لئے یہی راستہ تھا۔ اور دھوتی پہننے کا یہ طریق بھی ایک سا ہی تھا فرق صرف اتنا ہی ہوگا۔ کہ بڑے آدمیوں کی دھوتیاں مہین سوت کی ہونگی۔ اور غریبوں کی دھوتیاں معمولی موٹی جھوٹی ہوتی ہونگی۔ پاجامہ پہننے کا رواج قدیم زمانہ میں نہ تھا..... یہ ضروری نہیں کہ کمر سے اوپر کا بدن کپڑے سے ڈھکا ہی رہتا ہو۔ کئی حصوں میں تو وہ کھلا ہی رہتا تھا ...... بدن کو ڈھکنے والے اوپر کے کپڑے کا ذکر بہت ہی کم جگہوں پر ہے رنگ۔ پھر بھی یہ ثابت ہے کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اوپر کا

کپڑا ہوتا تھا۔ معمولی کام کاج میں اوپر کے کپڑے سے کچھ دقت نہ ہو سکے۔ اسلئے طالب علموں کیواسطے یہ قاعدہ تھا کہ وہ داہنا ہاتھ دوپٹے سے نکالکر بائیں کندہے کے اوپر گانٹھ لگا لیتے تھے۔ ...... مذکورہ بالا دو کپڑوں کے سوائے ہندوستان کے باشندوں کی پوشاک اور کپڑے نہ تھے۔ پاجامہ اور انگرکھا اس وقت تھے ہی نہیں ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کتر بیونت کر کے طرح طرح کے کپڑے سینے کا فن اس زمانہ میں نہ تہا۔ اسوقت درزی کا پیشہ معلوم نہیں تھا۔ یہ ماننا پڑتا ہے۔ کہ یہ پیشہ مغربی روزگار ہے۔ اور اسکا اسطرف سے آنیکا قیاس کرنا پڑتا ہے۔ ممکن ہے۔ سکندر کے ساتھی یونانی ہی اس فن کو لائے ہوں۔ یا شاید اس سے پیشتر بادشاہ دارا کے زمانہ میں ایرانی لوگوں نے دریائے سندھ کے مغرب کی طرف سے جو حصہ فتح کیا تہا اس وقت ان کے وہاں رہنے سے ہندوستانیوں نے یہ فن سیکھا ہو۔ کیونکہ مہابھارت میں درزیوں کا کام کسی کاریگر کے متعلق نہیں آیا۔ سنسکرت میں درزی کے لئے تُن وائے لفظ ہے۔ مگر مہابھارت میں یہ لفظ ہی نہیں آیا۔ سنار۔ لوہار۔ ٹھٹھیرے اور موچی وغیرہ کا نام تو مہابھارت میں ہے۔ مگر "تن وائے" کا نہیں ہے۔ ...... یہ سچ ہے کہ بھارتی کی لڑائی میں سلے سلائے کپڑے بنڈی اور انگرکھے وغیرہ نہ تھے۔ اور یہی حالت مہابھارت کے وقت تھی۔" (صفحہ ۲۶۳-۲۶۴)

مذکورہ بالا بیانات سے ثابت ہے۔ کہ مہابھارت کے وقت ہندوستانی آریہ لوگ پوشاک کے معاملہ میں بالکل سادہ تھے۔ آگے چلکر یہی صاحب لکھتے ہیں۔ کہ

"آج کل ہندوستان میں اعلےٰ طبقہ کے لوگ جو پوشاک پہنتے ہیں۔ وہ بیرون ہند کی ہے۔ یہ یونانی۔ فارسی مسلمان اور انگریز لوگوں سے لی گئی ہے۔ **خاصکر مسلمانوں کی نقل ہے**" (صفحہ ۲۷۳)

ساتویں صدی میں چینی سیاح ہوئے۔ نسانگ ہندوستان میں آیا تھا۔ ...... اس نے پوشاک کے بارے میں لکھا ہے۔ کہ

"یہاں کے لوگوں کے گھر میں پہنے جانے اور باہر پہنے جانے والے کپڑوں میں سلائی کا کام ذرا بھی نہیں ہے"۔ (ص ۲۷۳)

اب اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ کہ اسوقت ہندوستان میں جن اچھے اچھے کپڑوں سے لوگ ملبوس نظر آتے ہیں۔ یہ بقول رائے بہادر جناب چنتامنی صاحب بہت حد تک اسلام سے لئے گئے ہیں۔ اب مقابلہ کرو ایک دہوتی وغیرہ کا آجکل کے پاجامہ اور پگڑی اور کوٹ وقمیص وغیرہ سے اس موجودہ لباس سے قدیمی لباس کی وہی نسبت ہے۔ جو خوراک کے لئے بھنے ہوئے دانوں کو موہن بھوگ سے ہو سکتی ہے۔ اگر مسلمان اپنے مبارک قدموں سے اس ہندوستان کو شرف نہ بخشتے تو یقیناً آج ہندوستان لطیف اور نفیس زنانہ اور مردانہ پوشاکوں سے بہت حد تک تہیدست ہوتا۔ یہ اسلام کے تمدن کا ہی اثر ہے۔ کہ آج ہم ہندوستانی نفیس اور لطیف لباس سے ملبوس نظر آتے ہیں۔ اس شق میں مسلمانوں نے ہند کے تمدن پر جو بہترین اثر ڈالا اس کے لئے اہل ہند جس قدر بھی مسلمانوں کا شکریہ ادا کریں کم ہے۔ کیونکہ یہ امر واقعہ ہے۔ کہ لباس ہی انسان کو مہذب بناتا ہے۔ کسی کی گفتگو تو بعد میں اثر ڈالتی ہے۔ سب سے اول اس کی پوشاک ہی لوگوں کی نظروں میں اثر کرنے کا موجب ہوتی ہے۔

جوتا پہننا جہاں تک تاریخیں اور پرانی تصاویر ہماری رہنمائی کرتی ہیں۔ جوتے کے معاملہ میں ہم بڑے بڑے پراچین ہندو راجاؤں کو اور دیگر بزرگوں کو بے نیاز پاتے ہیں۔ آج کل بھی تاریخی کتب یا ہندو صاحبان کی کتابوں یا رسالوں وغیرہ میں جب بعض بزرگوں کی تصاویر نظر پڑتی ہے تو اس میں جوتی کی احتیاج کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ جس سے یہ صاف نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ قدیم زمانہ میں جوتی کا رواج بہت کم تھا۔ یا تھا ہی نہیں۔ اگر تھا تو اسے اعلےٰ طبقہ میں کوئی چنداں وقعت حاصل نہ تھی۔ یہ کہنا ذرا مشکل ہے۔ کہ اسوقت آریہ اس فن سے ناواقف تھے۔ ہو سکتا ہے کہ چمڑے وغیرہ کا پرہیز ان کو اس صنعت کے

اختیار کرنے سے مانع رہا ہو یا چمڑے کا جوتا پہننے سے انہیں گریز ہوتا ہو۔ مگر سوال صرف اسقدر ہے۔ کہ اگر چمڑا یا چمڑے کا جوتا آج سے کچھ ہزار سال قبل ہمارے ہنود دوستوں کی نظروں میں ناپاک تھا۔ تو آج اس کے لئے کون سے نئے اسباب پیدا ہو گئے ہیں۔ اور دوم اگر کسی وقت چمڑے کا جوتا ناپاک سمجھا گیا تھا۔ تو مُنج وغیرہ سے جوتے تیار کئے جا سکتے تھے۔ اور دوم چمڑے کے جوتے کے ناپاک ہونے میں بھی کچھ شبہ ہی ہے۔ کیونکہ قدیم اور حال کے زمانہ میں بھی کئی ساد ہو مہاتما مرگ چھالا (ہرن کے چمڑا) پر بیٹھکر خدا کی عبادت بجالانا معیوب نہیں سمجھتے۔ تو جو چمڑا بیٹھنے کے لئے جائز ہو سکتا ہے۔ تو پھر جوتا بنانے کے لئے وہ کیوں کام نہیں آسکتا۔ لہذا ان تمام باتوں پر غور کر کے یہی کہنا پڑتا ہے۔ کہ اسوقت کے لوگ جوتا بنانے کی صنعت سے ناواقف تھے۔ اور یہ صنعت بھی مثل دوسری صنعتوں کے اسلام ہی اپنے ساتھ ہندوستان میں لایا۔ چنانچہ اب بھی جس حصہ ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادی کم ہے۔ مثلاً مدراس وغیرہ وہاں جوتے کا رواج بھی بہت کم ہے۔ الغرض مذکورۃ الصدر وجوہات کو مدنظر رکھکر یہ تسلیم کرنا ہی پڑے گا۔ کہ اسلام جہاں اور بہت سی عمدہ عمدہ خوبیاں اپنے ساتھ لایا۔ جس نے ہند کی مذہبی مجلسی اور تمدنی حالت کی کایا پلٹ دی۔ وہاں وہ بقاء انسانی کی اس ضروری صنعت کو بھی اپنے ساتھ ہی لایا۔ جس سے اب مسلمان اور ہندو یکساں مستفیض ہو رہے ہیں۔

بردہ گری } بردہ گری اور بردہ فروشی کی برائیاں آج کسی تشریح کی محتاج نہیں اسلام کے ظہور کے قبل نہ صرف دیگر ممالک ہی اس بد رسم میں مبتلا تھے۔ بلکہ یہ ہندوستان بھی اس میں شامل تھا۔ بلکہ اگر سچ پوچھو تو اس شق میں ہندوستان کا درجہ بردہ فروشی کے حامی ممالک سے بھی بہت بڑھ چڑھ کر تھا۔ کیونکہ ہندوستان نہ صرف بردہ فروش ہی تھا۔ بلکہ بردہ گر بھی۔ شودروں کے لئے جو ہر طرح کی ترقی کے وسائل بند کئے گئے تھے۔ اور انہیں نسلاً بعد نسل باوجود انسان ہو کر حیوان بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ بدتر زندگی میں رہنے کے لئے مجبور کیا گیا تھا۔ اس سے

بڑھ کر بردہ گری اور کیا ہو سکتی ہے۔ مگر اس بردہ گری کے ساتھ بردہ فروشی کی رسم بھی کم نہ تھی۔ چنانچہ بھائی پرمانند صاحب اپنی کتاب تاریخ پنجاب کے صفحہ ۱۱۴ پر لکھتے ہیں :۔

لیرین (ایک سیاح کا نام) لکھتا ہے۔ کہ ٹیکسلا میں بردہ فروشی ہوتی تھی۔"
اب صاف ظاہر ہے۔ کہ اس بردہ گری اور بردہ فروشی کے برخلاف سب سے اول اسلام نے ہی زبردست آواز بلند کی۔ اور اسوقت بھی جہاں اسلام کی روشنی کم پہونچی ہے (مثلاً نیپال) وغیرہ میں اسکا رواج ہے۔ جس کے متعلق حال ہی میں مہاراجہ صاحب نیپال نے اس بد رسم کو بند کرنے کے لئے کوشش فرمائی ہے۔ لہذا اس بردہ گری اور بردہ فروشی کے استیصال کے لئے جو کار ہائے نمایاں بنی نوع انسان کی بھلائی کیواسطے اسلام نے کئے۔ اس سے یہ ہندوستان بھی مستفیض ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ چنانچہ شودروں کو شودر پن کی لعنت سے پاک کرنے کے لئے اسوقت جو ہندوؤں کے مختلف فرقوں میں جدوجہد ہو رہی ہے۔ یہ سب اسلامی تہذیب کا ہی اثر ہے۔ گویا اسلام اس بات کا بجا فخر کر سکتا ہے۔ کہ یہ دنیا میں پہلا مذہب ہے۔ جس نے انسانوں کو حیوانی زندگی سے نکالکر انسانی صف میں لا کھڑا کیا۔ اگر اسلام کا قدم مبارک ہندوستان میں نہ آتا تو آج بھی کہلانے والے شودروں کی وہی درد شا ہوتی۔ جو کہ آج سے چودہ سو سال پہلے تھی۔ لہذا اس کے لئے کہلانے والے شودر اسلام کا جس قدر بھی دھنیاواد (شکریہ) کریں کم ہے۔

زبان مسلمانوں کے ہندوستان میں وارد ہونے سے قبل ہندوستان کے ہر ایک صوبہ کی مختلف زبان تھی۔ پشاور والے کے لئے لاہور اور لاہور والے کے لئے دہلی اور دہلی والے کے لئے الہ آباد اور الہ آباد والے کے لئے کلکتہ والے وغیرہ کی زبان سمجھنی بہت مشکل تھی۔ پشاور والا کہتا ہے۔

"چہ راتا زئی"۔ جہلمی "کتھے وینداایں"۔ لاہوری "کتھے چلیاں ایں"
دہلی والا کہتا ہے "کہاں جاتے ہیں"۔ بنگال والا کہتا ہے "کوتھا جائے سین"

مگر اب اردو زبان مسلمانوں کے طفیل ہندوستان کو ایسی ہمہ گیر زبان ملی ہے۔ کہ پشاور سے رنگون اور کشمیر سے لیکر راس کماری تک غرضیکہ تمام ہندوستان میں یکساں سمجھی جاتی ہے۔ چنانچہ اس کے متعلق جناب پروفیسر بابو ایشری پرشاد صاحب اپنی تالیف "تاریخ ہند قرون وسطیٰ میں فرماتے ہیں۔

"کہ مسلمانوں نے ملک کے اندر ایک نئی زبان رائج کی۔ جو اپنے اندر ایک حیرت انگیز ادبی ذخیرہ رکھتی ہے"

گو اس وقت مسلمانوں سے ضد کی وجہ سے ہندوؤں نے ہندی پر بہت زور دیا ہے۔ مگر جو حیرت انگیز قبولیت کا مادہ اردو حروف اور اردو زبان اپنے اندر رکھتی ہے۔ وہ ہندی میں کہاں۔ مثلاً اگر ذالك فضل الله کو ہندی میں لکھیں۔ تو ہوگا۔ **"جا لیکا پھلا"** اب ذرا ہندی زبان کی سلاست اور عام فہمی بھی ملاحظہ ہو۔

سوامی دیانند صاحب کا یجروید بھاش کا ہندی ترجمہ ۱۹ منتر ۲

"پدارتھ جو بہلی پرکار اگن ودیا کے گرہن کرنے تنہا جواگن سے بھن انیہ پدارتھوں ودیاؤں کو جانتے ہارے وگیانی نیت لوگ کا وگیان اپر کاش کے بیچ اپنے پدارتھوں کو دھارن کرنے روپ کریا سے انند کو پراپت ہوتے ہیں۔ ان پنتروں کے لئے سویں پرکاش مان پرماتما اس پرانوں کو پراپت ہونے والے شریر کو کامنا کے انوکول سمرتھہ کرو"

دوستو! کیا آپ کی سمجھ میں کوئی لفظ آیا۔ یہ زبان ہمارے ہندو دوست ہندوستان میں رائج کرنا چاہتے ہیں جسے اور تو اور خود ہندوؤں کا بیشتر حصہ بھی نہیں سمجھ سکتا۔ اب ذرا اس کا اردو ترجمہ ملاحظہ ہو۔

"جو اچھی طرح آگ کے علم سے واقف ہیں۔ اور اس کے علاوہ اور علوم جاننے والے عالم بزرگ علوم وغیرہ کے ظاہر کرنے میں عمدہ چیزوں کو حاصل کرکے لطف (حظ) کو پانے والے ہمارے بزرگ ہیں۔ اے روشن خدا ہمارے ایسے بزرگوں کے جسم کو بہت دیر تک قائم رکھ۔ ہم ایسی ہی خواہش کرتے ہیں۔"

اب دیکھو یہ اردو زبان کیسی سلیس اور عام فہم ہے۔ جسے مسلمان اور ہندو

یکساں آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔

اگر مسلمان ہندوستان میں نہ آتے۔ تو آج اس ہمہ گیر ادبی زبان سے یہ ہندوستان کا وسیع ملک بے نصیب رہتا۔ لہذا اس پہلو میں مسلمانوں نے ہندوستان پر ایک بینظیر احسان کیا ہے۔

رواداری اور ویدک دھرم } اول تو جو چار ویدوں کی تعلیم ویدک دہرم نے دی ہے۔ اسی سے ویدک دہرم کی رواداری ظاہر ہے۔ مگر منوجی نے اس رواداری کو اور بھی زیادہ روشن کر دیا ہے۔ چنانچہ منو ۴۳/۲ میں جس کا سوامی دیانند صاحب نے بھی ستیارتھ پرکاش آٹھویں سمولاس صفحہ ۲۹۷ میں حوالہ دیکر اپنے مسلمات میں لیا ہے۔ وہ ہدیہ ناظرین ہے۔

"آریہ ورت سے باہر چاروں طرف جو ہمالہ کے مشرق اور جنوب مشرق۔ اور جنوب مغرب۔ مغرب شمال مغرب۔ شمال۔ اور شمال مشرق کے ممالک میں جو لوگ رہتے ہیں۔ انہیں کا نام اسر اور یہ ملیچھ دیش ہے۔"

گویا اب جاپان اور چین۔ عراق۔ عرب اور یورپ و امریکہ کے رہنے والے بقول سوامی دیانند صاحب یہ سب اسر اور ملیچھ ہیں۔

علاوہ ازیں ستیارتھ پرکاش کے ۱۳ و ۱۴ باب میں جو کچھ عیسائیوں اور یہودیوں اور مسلمانوں کے بزرگوں کے متعلق کہا گیا ہے۔ وہ بھی آریہ سماج کی اس پرانی رواداری پر دلالت کرتا ہے۔ اب آپ اس کے مقابلہ میں ذرا اسلام کی رواداری ملاحظہ فرمادیں۔

صاف ظاہر ہے۔ کہ جو مذہب یہ تعلیم دے کہ ہمارے ملک کے علاوہ جو دیگر ممالک ہیں۔ ان کے رہنے والے ملیچھ اور راکھشش ہیں یعنے دوسرے الفاظ میں ان کی انسانیت میں بھی شبہ ہے۔ اب وہ مذہب یہ کہاں اور کیسے تسلیم کر سکتا ہے۔ کہ ہندوستان کے علاوہ کسی اور ملک میں بھی خدا کی طرف سے مخلوق خدا کی رہنمائی کے لئے ہادی یا رہنما آئے ہی وجہ ہے کہ بانی آریہ سماج جناب سوامی دیانند صاحب نے اپنی

مشہور کتاب ستیارتھ پرکاش میں حضرت موسیٰ جیسے اولوالعزم نبی اور حضرت مسیح جیسے حلیمی کے دیوتا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جیسے بنی نوع انسان کے لئے رحمت اور برتری کی شان میں وہ وہ بے نقط سنائی ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ کہ اس دلخراش نقطہ چینی کی موجودگی نے آریوں اور عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان ایسے متوازی خطوط کھینچ دیئے ہیں۔ کہ جن کا اتصال کہیں بھی نہیں ہو سکے گا۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ نکتہ چینی نہ ہو۔ بے شک ہو مگر مہذب رنگ اور معقول طریق سے اور نہ اس سوزندہ رنگ میں کہ جس پر تہذیب اور شرافت ہمیشہ ماتم کرے۔ برخلاف اس کے مذہب اسلام اور قرآن مجید صاف طور پر کہتے ہیں۔ اور دعویٰ کرتے ہیں۔ کہ پہلے مذاہب ہنود۔ یہود۔ عیسائی۔ صابی۔ زردشتی وغیرہ بھی اپنے اور اپنی تعلیمات کے اندر صادق تھے اور صداقت رکھتے تھے۔

کس وضاحت سے فیصلہ کر دیا

کہ کوئی بستی اور کوئی امت بھی ایسی نہیں چھوڑی کہ جس میں کوئی نبی نہ آیا ہو۔ یہ کہکر لکل قوم ھاد گویا فیصلہ کر دیا۔ کہ ہر امت بجائے خود کوئی نہ کوئی پیغمبر اور نبی رکھتی تھی۔ قرآن پاک کا یہ فرمان اور یہ تعلیم ثابت کر رہی ہے۔ کہ بلحاظ ایک مذہب اور ایک مذہبی کتاب ہونے کے اس کو کسی دوسرے مذہب سے وہ کاوش اور پرخاش نہیں ہے۔ جو کہ متعصب مذہب کو ہونی چاہیئے۔

اس رنگ میں قرآن مجید کیا چاہتا ہے

یہ تعلیم دیکر اور یہ کہکر یہ چاہتا ہے۔ کہ نہ مسلمان اور نہ کسی دوسرے مذہب والے کسی دوسرے مذہب اور دوسرے مذہبی کتابوں کو صداقت سے محض عاری نہ سمجھے۔ اور ان کتابوں اور انکے بزرگوں کی شان میں کوئی ایسا کلمہ نہ کہیں۔ جو حد ادب اور تہذیب سے باہر ہو۔ یہ تعلیم لانفرق بین احد من رسلہ قرآن پاک کہتا ہے کہ تم

رسالت اور ہادی ہونے کی حیثیت سے کسی دوسرے مذہب کے بزرگ کا انکار نہ کرد
یہ وہ اعلان ہے۔ جو قرآن اور اسلام کے مقابلہ میں کوئی دوسرا مذہب
پیش نہیں کرسکا۔ اور نہ کرسکتا ہے۔ اگر دوسرے لوگ جو مسلمان نہیں ہیں۔ ٹھنڈے
دل سے اس تعلیم پر غور کرتے تو آج وہ جنگ و جدال ابین مختلف مذاہب کے
نہ ہوتا جو اسوقت پایا جاتا ہے۔ بے شک اس میں ہم مسلمانوں کا بھی کسی حد تک قصور
ہے کہ ہمنے بھی رسمی اسلام کے پابند ہوکر دیگر بزرگان مذاہب کی شان الادب
کو اس قدر ملحوظ نہ رکھا جس قدر واجب تھا۔ لیکن زیادہ تر اس میں دوسرے
مذاہب کا ہی قصور ہے۔ باوجود اس کے کہ ہم کہتے بھی ہیں۔ کہ بھائی ہم تمہارے
بزرگوں کی شان میں کچھ نہیں کہتے۔ مگر اس پر بھی بعض عیسائی اور ہندو ہمارے
رسول مقبول کی شان میں اپنی زبانوں سے ایسے الفاظ نکالتے پر بھی باز نہیں رہتے
جو نہایت گستاخانہ رنگ رکھتے ہیں۔

مثلاً ہم

حضرت عیسٰے علیہ السلام کی شان میں نہ تو کوئی لفظ خود کہتے ہیں۔ اور نہ کسی سے سُن
سکتے ہیں۔ کتنا بڑا فرق ہے۔ کہ بحث مباحثہ کے سٹیج پر ایک مسلمان یا حضرت
عیسٰے علیہ السلام کی شان میں کچھ بھی نہیں کہتا۔ اور برخلاف اس کے عیسائی جو کچھ دل
میں آتا ہے۔ کہگذرتے ہیں۔ اسیطرح ہم قرآنی تعلیم کے موجب مہاراج رام چندرجی
مہاراج کرشن جی نیز بدھ وغیرہ۔ بزرگان ہنود کی شان میں اگر کوئی کلمہ بے جا نکالیں تو ہم
پر ویسی ہی گرفت ہوسکتی ہے۔ جیسا کہ اسلامی اصولوں کی شان میں کہکر۔ اب غور کرو کتنا
بڑا فرق ہے۔ کہ جب میں شری رام چندرجی اور حضرت مہاراج کرشن جی کی نسبت کوئی نیا یا تی
پہلو لیکر بھی کچھ لکھتا ہوں۔ تو میرا قلم اس وقت لرز جاتا ہے۔ جب اس سے کوئی کلمہ
بے ادبی کا نکل جاتا ہے۔

اسلام کی یہ رواداری کسی نہ کسی رنگ میں آریہ سماج پر بھی اثر ڈالے بغیر نہیں رہ سکی۔

چنانچہ یہ اسلام کی رواداری کا ہی اثر ہے۔ کہ اب آریہ سماج کو بھی کچھ کچھ سمجھ آنے لگی ہے۔ کہ ہمیں اس ویدک عدم رواداری کو ترک کر کے دنیا میں حقیقی رواداری سے گذارہ کرنا چاہیئے۔ چنانچہ ۳ر نومبر ۱۹۳۸ء کے آریہ اخبار پرکاش میں یہ لکھا ہے کہ

"قانون قدرت کی اس [illegible] صداقت کی تکمیل کے لئے مہاتما گوتم بدھ حضرت عیسےٰؑ حضرت محمدؐ۔ شری شنکراچاریہ گورونانک ظہور پذیر ہوئے اور اپنے اپنے زمانہ کی ضرورت کے مطابق مذہب کی اصلاح کا کام انجام دیا"

یہ مسلمانوں کی ہی تعلیم کا نتیجہ اور قرآن پاک کی ہی رواداری کے طفیل ہے جسکی یہ تعلیم ہے کہ

"ہم نے کوئی ایسی بستی نہیں چھوڑی جس میں کوئی نذیر نہیں بھیجا"

اگر ویدک دہرم اسکو تسلیم کرتا تو پھر متوجی کو یہ کہنا نہ پڑتا کہ ہندوستان کے علاوہ جو ملک ہیں۔ وہ ملیچھ دیش کہلاتے ہیں۔ اور نہ ہی سوامی دیانند صاحب کو ستیارتھ پرکاش میں مختلف مذاہب کے ہادیوں کے برخلاف لکھ کر کروڑ ہا مخلوق کے جذبات کی بے حرمتی کرنی پڑتی۔ یہ اسلام کا ہی عقیدہ ہے۔ جو یہ کہتا ہے۔ کہ حضرت موسیٰؑ بھی برحق اور حضرت عیسیٰؑ بھی برحق شری کرشن جی بھی بزرگ اور شری رام چندر بھی واجب الاحترام۔ سو آج اسی سبق کو خوشی سے یا کراہت سے آریہ سماج بھی دہرانے کے لئے مجبور ہوا ہے۔ کیا یہ اسلام کی بہترین رواداری تہذیب او تمدن کی فتح نہیں ہے۔ اگر آریہ سماج اس اصول پر قائم رہے۔ تو اس کے ساتھ ہماری کوئی پرخاش اور کدورت نہیں۔ وہ ہمارے بھائی ہیں۔ اور ہم ہر وقت انہیں گلے لگانے کے لئے تیار ہیں۔

مختلف مذاہب کے ہادیوں کی شان کو برقرار رکھکر اور انکی عظمت کو از سر نو دنیا میں قائم کر کے اسلام نے دنیا کو جو ...... بہترین رواداری کا سبق دیا تہذیب ہمیشہ اس پر فخر و ناز کریگی۔

یہ بنی نوع پر اسلام کا کسقدر احسان ہے۔ کہ ہندو راس لیلا میں جو کرشن جی مہاراج کی شخصیت کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔ اور رامائن کے اتر کانڈ میں جو رام چندر جی مہاراج کا ہندوؤں نے نمونہ پیش کیا ہے۔ وہ اسیات کی منہ بولتی تصویر ہے۔ کہ

بامن انچہ کرد آن آشنا کرد

گرلاکھ لاکھ درود اور سلام ہو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات پر جنہوں نے از سر نو ان بزرگوں کی عزت و احترام کو قائم کیا۔ نہ صرف ہندوستان بلکہ کل دنیا اور بنی نوع انسان پر اسلام نے اسقدر عظیم الشان احسان کیا ہے۔ کہ تہذیب اور تمدن رہتی دنیا تک اس پر ناز کرے گی۔

اسلام کی صداقت اور غیر مسلم محققین کی شہادت

مسٹر بھوپندرا ناتھ باسو جو کلکتہ یونیورسٹی کے چانسلر اور انڈیا کونسل کی ممبر رہ چکے ہیں تحریر فرماتے ہیں۔ میں مذاہب کا ایک طالب علم رہا ہوں میں نے کسی مذہب میں مساوات کی ایسی روح نہیں پائی ہم ہندوؤں میں ذات پات کا ایک سخت نظام موجود ہی میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا کہ آیا ہندو مذہب کی پاکیزگی کے زمانہ میں ذاتوں کا نظام اسکا خاص جزو تھا۔ یا نہیں۔ لیکن اسوقت یہ نظام موجود ہے۔ ہندوؤں کا اعتقاد ہے۔ کہ بعض ذاتوں کے لوگ برہما کے سر بعض اسکے ہاتھوں بعض اسکے پاؤں وغیرہ وغیرہ سے نکلے ہیں۔ دیگر مذاہب میں سے جو اسلام سے ہمنا پے کا ادعا کر سکتے ہیں۔ ہم یہودیوں کو دیکھتے ہیں کہ جو بنی اسرائیل کو خدا کے مقبول بندے سمجھتے ہیں۔ عیسائیت کی نسبت ہندوستان میں مشاہدہ میں آرہا ہے کہ جہاں پادریوں نے دیسی عیسائیوں اور انکے یورپین بھائیوں میں بھی فرق و امتیاز کی صورت نکال لی ہے۔ اول الذکر نیٹو (دیسی) عیسائی کہلاتے ہیں۔ جن کو زیادہ خوش قسمت دیسی بھائی جو یورپ میں پیدا ہوئے ہیں۔ حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اسلام کی ایک اور برکت یہ ہے کہ ان میں مذہبی طور پر مقدسین کا کوئی خاص فرقہ نہیں ہر مسلمان تمام مذہبی مراسم کو بجا لاسکتا ہے ÷ میری رائے میں یہ نوع انسان کی برائیوں کے بیچ حصہ کو اس فرضی و مصنوعی برتری کے تصورات سے منسوب کیا جا سکتا ہے۔ جو اپنے زعم ناقص میں ایک طبقہ دوسرے طبقہ کی نسبت رکھتا ہے۔ اور ایک آدمی دوسرے شخص سے اور ایک قوم دوسری قوم سے اپنے آپ کو افضل سمجھتی ہے۔ یہ مصنوعی عدم مساوات جو خرابیاں ظہور میں لا سکتی ہے۔ مقدس پیغمبر کے وقت میں بھی موجود تھیں۔ لیکن مذہبی تعلیمات کی صحت بخش سپرٹ کے تحت میں ذاتی مثال سے آنحضرت صلعم نے ایک ایسی قوم پیدا کی جس میں افریقہ کا سیاہ فام فرزند کسی عربی قبیلہ کے مغرور ترین سردار کا ہم پلہ متصور ہوتا ہے۔

صرف یہی نہیں۔ بلکہ یہی جمہوریت کا دلولہ۔ رواداری و مساوات کی خوبیاں اس دنیا کے ہر ایک گوشہ میں پھیلادیں۔ پیغمبر اسلام نہ صرف ان محاسن کی تبلیغ کرتا تھا۔ بلکہ خود بھی ان پر عامل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں آج باوجود اس مقدس بزرگ (پیغمبر) کے انتقال کو تیرہ سو سال سے زیادہ عرصہ گزر جانے کے ایک خاکروب بھی دائرہ اسلام میں کسی بڑے سے بڑے خاندانی سے مساوات کا دعویٰ کرسکتا ہے۔"

مشہور بنگالی اہل قلم بابو بپن چندر پال اسلام کی رواداری اور مساوات پر ایک طویل الذیل مضمون میں لکھتے ہیں۔

"عربوں کی اجتماعی جمہوریت میں اسلام نے وہ روح آزادی پیدا کردی جس سے اس عہد کا کوئی مذہب آشنا نہ تھا۔ اور اسوقت کی دنیا اس سے قطعی بیگانہ تھی اسلام نے اخوت اور برادرانہ روابط پر جس قدر زور دیا۔ جس شدومد سے اس پر عمل پیرا ہوا اس کی مثال دنیا کا اور کوئی مذہب پیش کرنے سے قاصر ہے اسمیں ہندوؤں کی طرح کوئی ذات پات کا امتیاز موجود نہیں۔ نہ کسی کو محض خاندانی اور مالی عظمت کی بنا پر بڑا سمجھا جاتا ہے۔ جیسا کہ آج مغربی مسیحی اقوام کا شعار بنا ہوا ہے۔ مسلمانوں کی تمام تاریخ جوش ملی اور مذہبی فدائیت کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

یہ مسلمانوں کی انتہائی ہمدردی اور خدا ترسی کا جذبہ ہی تھا۔ جس نے ہندوستان جیسے عظیم الشان ملک کی مذہبی زندگی اور خیالات میں ایک انقلاب عظیم پیدا کردیا۔ اور ایک فاتح کی حیثیت سے اس ملک میں داخل ہوکر ہزارہا نفوس کی معاشرت و قلوب کو متاثر کیا۔

اسلام نے یہاں آکر ہمیں جدید آئین و قوانین سے روشناس کیا۔ نئے طریقہ ہائے انتظام بتائے حکومت کے جدید اغراض و مقاصد سے واقف بنایا۔ اور ہندوستان کے مختلف افراد کو مختلف صوبوں میں ایک ایسی جماعت پیدا کردی جو پیشتر کی نسبت کہیں زیادہ وسیع اور سیاسی و اقتصادی مفاد و مقاصد کی حامل تھی۔ مسلمانوں نے انگریزوں کی آمد سے ایک مدت پیشتر ہی ہندوستان کی سلطنت کو منظم اور قوم کو متحد کرنیکا فخر و شرف حاصل کرلیا تھا۔"

مسز سروجنی نیڈو نے ۸ دسمبر ۱۹۱۹ء کو مسجد ووکنگ لندن میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

"محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو جس مذہب کی تبلیغ کے لئے مبعوث کیا گیا تھا۔ بے تعصبی اس کا

ایک اور عجیب و غریب پہلو تھا۔ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے اہل وطن نے سسلی پر حکومت کی۔ اور سپین پر سات صدیوں سے نمائد زمانہ تک کوہ "لمن الملک" بجایا۔ لیکن انہوں نے کسی حالت میں بھی رعایا کے حق عبادت و پرستش میں دست اندازی نہیں کی وہ عیسائیت کا احترام اس لئے کرتے تھے۔ کہ قرآن کریم انہیں غیر مسلموں سے رواداری کا برتاؤ کرنا سکھاتا ہے۔ ..... دنیا کے تمام مذاہب کم و بیش ایثار علی النفس کی تعلیم دیتے ہیں۔ مگر اسلام اس بارہ میں سب سے آگے ہے۔ بنی نوع انسان کی خدمت تعلیم اسلام کا سرمایہ ناز ہے۔ اسی لئے اسلام نے عالمگیر اخوت کا اصول دنیا کے روبرو پیش کیا ہے۔ دنیا اس اصول کی پیروی کرنے سے خوش حال ہو سکتی ہے۔"

صداقت اسلام پر سوامی دیانند کی شہادت

سوامی دیانند کے الفاظ میں ہند میں آغاز اسلام تک مندرجہ ذیل برائیاں پھیل رہی تھیں۔ (دیکھو ستیارتھ پرکاش سمولاس ۱۱)

نفاق۔ تکبر۔ غرور۔ جہالت۔ سستی۔ بے ہمتی۔ حسد اور بغض نفس پرستی۔ غفلت۔ بداوصافی۔ بدفعلی۔ برہمنوں کا بے علم ہونا اور کشتری۔ ویشیہ۔ شودروں کا جاہل رہنا۔ وید شاستروں کے بامعنی پڑھنے کے سلسلے کا ترک ہونا۔ برہمنوں کا روزی کی خاطر معبود بننا اور سورگ اور مکتی کا واحد ٹھیکیدار بننا۔ برہمنوں کا زمین کا داتا بننا اور ان کے الفاظ کو پرمیشور کے الفاظ سمجھنا۔ رشی اور منیوں کی کتابوں میں تحریف کرکے بناوٹی باتیں ان میں ملانا۔ براہمنوں کا سزا سے بری ہونا۔ برہمنوں کی اجازت بغیر سونا۔ اٹھنا بیٹھنا کھانا۔ پینا۔ خلاف منشاء ایشور ہونا۔ آپس میں لڑنا جھگڑنا۔ برہمنوں کا اپنی اور اپنے پاؤں کی پوجا کرنا۔ لوگوں کا شراب پینا وغیرہ وغیرہ۔

بعد ازیں ایک اور اصلاح یافتہ فرقہ اٹھا۔ جو شوبھا راج کی پوجا کرتا تھا۔ جس سے جل دھاری وغیرہ کی پوجا شروع ہوئی۔ اور رودراکش کی مالا اور خاک لگانا شروع کیا

ہمارے زمانہ کے ویدک مصلح سوامی دیانند صاحب بھی عرصہ تک شومت کے پیرو رہ چکے ہیں۔ سوانح عمری سوامی دیانند صفحہ ۵۵ مصنفہ مہتہ رادھا کشن
ساکنان ہند اور ویدوں کے ماننے والوں میں مندرجہ بالا خرابیاں دیکھکر جو مصلح یعنے بدھ پیدا ہوا۔ وہ منکر خدا تھا۔ ویدوں کی مذمت کرنے والا اور تمام ویدک رسموں کو دور کرنے والا تھا۔ اس کے پیروؤں نے بُت پرستی کو زور وشور کے ساتھ رواج دیا۔ گویا مصلح فرقہ نے مندرجہ بالا خرابیوں کے ساتھ چند اور خرابیوں کو ملا دیا۔ یعنی انکار خدا اور بُت پرستی کو رواج دیا۔
اس کے بعد وید کے حامیوں میں ایک اور مصلح ہوا۔ یعنی شنکراچاریہ اس نے ہمہ اوست کے عقیدہ کا رواج دیا۔ اور قدامت مادہ و روح کو جڑ سے کاٹ دیا۔ ذرہ ذرہ دنیا کا اس کے نزدیک ایشور تھا۔ گویا اس مصلح کے وقت ہی ویدک دھرم تھا۔ کہ دنیا کی ہر چیز کو ایشور سمجھا جاوے۔
حسب تحریر سوامی دیانند صاحب جس زمانہ میں اسلام کا آغاز ملک عرب میں ہوا۔ گویا اسلام کے نزول کے وقت ہند میں وام مارگی۔ بدھ۔ جینی۔ ہمہ اوستی وغیرہ وغیرہ معہ مندرجہ بالا تعلیمات کے ساتھ موجود تھی۔ ان خرابیوں کی موجودگی میں آریہ ورت کو ایک ایسی تعلیم کی ضرورت تھی۔ جو انکو خالص توحید کا سبق دے کر ان خرابیوں کو دور کرے۔
سوامی دیانند صاحب کے خیالات کو چھوڑ کر اب اس کے ایک چیلے کی کتھا اس بارہ میں سنیئے۔ لالہ کانشی رام وکیل چیف کورٹ پنجاب پردھان آریہ سماج ملتان اپنی کتاب "ایشور درشن" کے صفحہ ۹۷ پر لکھتے ہیں۔
ویدک زمانہ کے بعد جب دھرم میں تنزل آگیا۔ تو لوگ ویدک یگیہ یعنی یگی قربانی وخود انکاری کو بھول گئے۔ بجائے اس کے حیوانی قربانیاں رائج ہوگئیں یگیہ میں پشو بدھ یعنے ہلاکت جانوروں کو جائز قرار دیا گیا پہلے ذاتوں کی امتیاز اوصاف واعمال سے ہوتی تھی۔ اب جنم سے ذاتوں کی تمیز ہونے لگی۔ برہمنوں

نے اپنے لئے بلحاظ جنم خاص خاص حقوق قائم کر لئے۔ راستبازی کی بجائے
بیرونی رسومات دھرم کہلانے لگیں۔ ایسی حالت میں ایک ایسے مہاتما کی ضرورت
تھی۔ جو راستبازی اور زندگی کی پاکیزگی کا سبق سکھلا دے۔ اس مطلب کو پورا
کرنے کے لئے مہاتما بدھ پیدا ہوا۔ انہوں نے حیوانی قربانیوں کی تردید کی۔ ہمدردی
کی تعلیم دی۔ فرضی ذات پات کی تمیز کو اڑا دیا۔ کرم کے مسئلہ کو پھر فروغ دیا۔
راستبازی کی تعلیم دی۔ بیرونی رسومات کی تردید کی۔ غرضیکہ مہاتما نے اصلی
ویدک دھرم کے اخلاقی پہلو کو از سر نو زندہ کیا۔

مہاتما بدھ کی خاص اور غیر معمولی قابلیت ضرور ایسی تھی کہ اس نے پرماتما سرچشمہ
فرائض و دھرم کی ضرورت محسوس نہ کی اور اس لئے اس کی تلاش کی پرواہ نہ کی۔ اس نے
صرف دھرم یعنی بجا آوری فرائض و راستبازی کو انسان کی زندگی کا مقصد اعلےٰ
سمجھا۔ لیکن ہر شخص بدھ نہیں ہو سکتا مگر وہ انسان پرماتما کی امداد کے بغیر دھرم کے
مارگ پر چل نہیں سکتا۔ دھرم سرچشمہ دھرم (پرماتما) سے علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ بدھ نے
سچے دھرم کو بحال کیا۔ الا دھرم پر چلنے کے لئے اس نے محض انسانی طاقت انسانی
کوشش کو کافی سمجھا۔ یہی عقیدہ دھرم کی بیخکنی کا موجب ہوا۔ کیونکہ اسی خیال نے
کہ مکتی پانے کیلئے پرماتما کی امداد و فضل کی ضرورت نہیں ہے۔ لوگوں کو ناستک بنا دیا۔
رفتہ رفتہ بدھ دھرم کے مذہبی پیشوا عیش پسند ہو گئے۔ جس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا۔ کہ بدھ
دھرم میں زوال آ گیا۔ بدھ نے ویدوں کے عملی دھرم کو از سر نو فروغ دیا تھا۔ بدھ کے
پیرووں میں ناستک پن پھیل گیا۔ بت پرستی اور بدعتوں نے اپنا تسلط جما لیا۔ راست
بازی کا نام و نشان نہ رہا۔ اسی زمانہ میں جین مت نے فروغ پانا شروع کیا۔ یہ مت
بھی پرماتما کے وجود سے منکر تھا ویدوں کی سرزمین میں ایسے ناستک متوں کا سر سبز
رہنا ناممکن تھا۔ لہذا ایسے زمانہ میں ایک ایسے مہاتما کی ضرورت تھی۔ جو انسانوں کے
دلوں پر پرماتما کا راج از سر نو قائم کرے۔ اس مطلب کو پورا کرنے کے لئے سوامی
شنکراچاریہ جی پیدا ہوئے۔ جنہوں نے دنیا میں پرماتما کے سوئے ہوئے خیال کو

بیدار کیا۔ لاخدا متوں کو پامال کیا۔

اگرچہ بدھ اور جین مت کی کمک میں آریہ ورت کے بہاری مہاراجہ مہاراجہ موجود تھے تاہم اکیلے بال برہمچاری سوامی شنکراچاریہ نے ویدوں کا آسرا ضرور لیا۔ الا خر یاگ کو چھوڑ کر آپنے اُپنشدوں کو ہی وید سمجھ لیا۔ ناستک متوں کے مقابلہ میں اس نے ایشور واد کا پرچار کیا۔ ایشور کے پریم میں یہاں تک محو ہو گیا۔ کہ برہم اور جیو کی ایکتا کا وعظ کرنا شروع کیا۔ صداقت کی حد تک سے تجاوز کر گیا۔ ایشور کے وجود سے انکار کرنا یا ہمہ اوست کا مسئلہ ماننا دونوں غایت حدیں ہیں۔ شنکر آچاریہ نے ناستکوں کو فتح کرنے کے لئے ایشور واد کو ہمہ اوست تک پہنچا دیا۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہؤا۔ کہ گو بدھ دھرم دیش سے نکل گیا۔ آستکتا کا بول بالا ہو گیا۔ مگر عرصہ بعد پھر تنزل شروع ہو گیا پورانک مت نے زور پکڑا۔ ویدک ادویت مت برہم کو چھوڑ کر بیسے شمار دیوی دیوتاؤں کی پوجا شروع ہونے لگی۔ لوگ پورانک توہمات میں پھنس گئے۔ اس تنزل کی حالت میں **اسلام نے** آریہ ورت پر حملہ کیا۔ **اسلام کی وحدانیت کے سامنے آریہ ورت کی بت پرستی نے سر جھکایا۔ بُت پرستی اور شرک خدا پرستی کی تاب نہ لاسکے۔ آخر پورانک دھرم اور پورانک راج کو اسلام نے مغلوب کر لیا۔"**

گوروں اور چیلے کے اختلافات باہمی کو علیحدہ رکھکر ایک صداقت کا پیاسا اسلام کی ضرورت کو آریہ ورت کے لئے ضروری اور لابدی سمجھے گا۔ کیونکہ آریہ ورت کے چار یا پانچ ہزار کے مسلمان وقت کی کوششیں اس ملک کی اخلاقی اور روحانی بیماریوں کو دور کرنے میں سخت ناکام ہو چکی تھیں۔ اب انسانی جدوجہد کے مقابلہ پر ایک ایسے مصلح کی ضرورت تھی۔ جو شنکر آچاریہ اور بدھ کی افراط و تفریط سے مبرا ہو اور جس کی تعلیم الٰہی سر چشمہ سے ہو جو کہ اسوقت گدلا ہو رہا تھا۔ نہ انسانی کوشش کا نتیجہ ہو سکے یا تو الہام الٰہی سے بدھ کی طرح منکر ہو اور نہ شنکر آچاریہ کی طرح انسانی اور الٰہی کلام میں تمیز ہی نہ کر سکے۔ اور یہ کام سوائے الہام ربانی کے اور کوئی انسان نہیں کر سکتا تھا سو خدا نے دنیا پر اپنا فضل کیا۔ اور ملک عرب میں ایک نہایت پاک انسان کو دنیا کی ہدایت کے لئے آتارا۔ جس نے مدت مدید کے شرک و الحاد اور معاشرتی و تمدنی خرابیوں

کو دور کر کے دنیا میں توحید کا نام روشن اور لوگوں کو تہذیب و اخلاق کی دولت سے مالا
مال کیا۔ صرف ہندوستان پر ہی کیا موقوف ہے۔ اسوقت تمام دنیا سخت اندھیرے میں
تھی۔ پھر دید پر سخت گھٹاٹوپ اندھیرا چھایا ہؤا تھا۔ چونکہ دیگر ممالک کا سوال اسوقت ہمارے
مضمون کا موضوع نہیں ہے۔ اسلئے ہم اسے ترک کرتے ہیں۔ اگر اللہ کو منظور ہؤا۔ تو اسکے
لئے ایک الگ کتاب لکھی جائے گی۔

اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ کہ قبل از اسلام آریہ ورت کے مصلح بجائے یا تو وید سے
ہی منکر ہو گئے۔ جیسے بدھ یا ویدوں کی جگہ اُپ نشدوں کو وید سمجھکر ان کی تعلیم کا پرچار کرتے
رہے جیسے شنکر آچاریہ۔ پھر ہم اپنے دوستوں پوچھتے ہیں۔ کہ ویدوں کی روحانیت سے پانچہزار سال
قبل اسلام کو نسا کرشمہ اپنے منجانب اللہ ہونیکا دکھایا۔ کہ بدھ دوان نے ویدوں کی بعض رسومات
کی وجہ سے انکی پیروی فضول سمجھی۔ اور اسکے بعد دوسرے مصلح شنکر آچاریہ نے اس سے دوسرا پہلو
اختیار کر لیا۔ اور ہر چیز کو خدا بنا بیٹھا۔ گویا پانچہزار سال کے عرصہ میں کسی بزرگ عالم وید
نے ویدکی وحدانیت کا پردہ نہ کھولا۔ اب اسلام کی روز روشن تعلیم کو دیکھکر اگر کوئی ویدک
مصلح ویدوں سے وحدانیت کا دعویٰ کرے۔ تو اس کی حقیقت صاف ظاہر ہے۔
اس کے قابل قبول نہ ہونے پر ایک زبردست دلیل اور بھی ہے۔ کہ جب تک ایسے
مدعی کو مسلمانوں کے ساتھ مقابلہ نہیں پڑا۔ اور باوجود علمیت ویدکے خود ہی ہمہ اوستی اور شومت کا پیرو رہا۔
اور اپنی عمر کے ۴۹ سال ایسے ایسے فرقوں کی تائید اور ترویج میں بسر کئے۔ فتدبروا یا اولی الابصار۔
خاتمہ مضمون پر لالہ لاجپت رائے صاحب کی یہ رائے ضرور توجہ سے سنی جائے گی کہ

ہندو دھرم کی بوسیدہ دیوار اسلام کے زبردست وحدانیت کے گولے کے سامنے نہ ٹھیر سکے گی۔" (اخبار وکیل امرتسر یکم دسمبر ۱۹۲۶ء بحوالہ پرتاپ)

اب میں اس مضمون کو اس دعا پر ختم کرتا ہوں۔ کہ جہاں ہمارے ہندو بھائیوں نے اسلامی وحدانیت اور تہذیب و
تمدن سے مستفیض ہونیکی کوشش کی ہے خداوند تعالیٰ انکو دلوں کو بھی اسلام کیلئے فراخ کرے۔ تاکہ یہ تمام سد دکو عبور
کر کے حقیقی معنوں میں اسلام کے نور سے منور ہو کر دین و دنیا کے حسنات کے وارث بن سکیں۔ آمین۔
یا رب العالمین۔